ڈرامہ اکبر

آزاد

ڈرامہ اکبر

یعنی

جلال الدین محمد اکبر شہنشاہ ہند کے نور نظر جہانگیر و نور جہاں کے عشقیہ قصہ

کو سب سے پہلے ڈرامہ اردو کا لباس پہنا کر پیش کیا جاتا ہے

از

رشک شکسپیر و ملٹن جناب شمس العلماء

مولینا محمد حسین صاحب آزاد مرحوم

حسب فرمائش

جناب آغا محمد طاہر صاحب

نبیرہ حضرت آزاد

[illegible]

قیمت مجلد [illegible]

دیباچہ

زبانِ اردو کی عمر کی طرف خیال کرو تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ کیا تھی۔ کیا ہوگئی۔ کل کی بات ہے کہ اس میں کچھ نہ تھا مگر آج سب کچھ ہے اور جس تیزی کے ساتھ یہ ترقی کے رستوں پر بڑھ رہی ہے امید بندھتی ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ بیل ضرور منڈھے چڑھ کر رہے گی۔ اس وقت کون سی شے ہے جو اس میں نہیں اور کون سا پھول ہے جو یہ نہیں کھلاتی مگر یہ تمام خوبیاں کسی زبان میں ایک ساتھ نہیں آیا کرتیں۔ اول اول چلا ٹھوکریں سنبھل کر یہ رستے طے ہوتے ہیں۔ اگر آج ان پہ پھیر کر

نظر ڈالیں تو تعجب آتا ہے کہ او ہو ہم پیدل تھے۔ کس قدر جلدی سوار ہو گئے۔

اسی طرح اردو میں ڈرامہ لکھنا آج کچھ بڑی بات نہیں۔ جس نے چند انگریزی اردو کی کتابیں پڑھی ہوں کچھ ناول دیکھے ہوں تھیٹروں کی زیارت سے مشرف ہوا ہو۔ کہیں دل دیا ہو کہیں لیا ہو۔ اچھا خاصہ ڈرامہ ٹسٹ ہو سکتا ہے۔ مگر تعجب او آفرین ہے اس حالت پر جبکہ انشا پردازی کے درخت میں یہ شاخ بالکل نہ تھی۔ نہ کبھی کسی کو اس کا خیال تھا۔ ایسی حالت میں زمین سخن میں نئی قلم لگانا۔ پھر شاخ و برگ کا نکلنا۔ گل پھول کا کھلنا درحقیقت ایک بڑی بات ہے۔

اول اول میاں باوا کے دل میں یہ خیال آیا تو انہوں نے اپنے شاگردوں سے شکسپیئر کے انگریزی ڈرامہ سننے شروع کیے۔ اُن کے مضامین کو سمجھا۔ اُن کے مطالب پر اردو میں

پھیلاؤ پھیلائے۔ بلکہ ایک دفعہ پرنسپل صاحب گورنمنٹ کالج کی فرمایش سے میکبتھ کا اُردو ترجمہ بھی شروع کیا۔ جس کا ابتدائی حصہ اس زمانہ کے رومن اخبار میں نکلا۔ شاید یہ ڈرامہ پورا ترجمہ کرلیا ہو۔ مگر مجھے اس وقت تک اس کا ابتدائی حصہ ہاتھ آیا ہے وہ بھی خوب ہے۔ اس چھوٹے سے ٹکڑے سے طبیعت کی پہنچ اور مذاقِ سلیم کا ذوق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قیاس کہتا ہے کہ اُس ڈرامہ کے ترجمہ سے اُن کی اپنی طبیعت کچھ خوش نہیں ہوئی۔ کیونکہ شکسپیر کے ڈرامہ ایک غیر ملک کے واقع ہیں ہم لوگ ان میں دل لگائیں بھی تو کس قدر۔ جب تک کہ انکے تمدن تعلیم۔ اخلاق معیارِ عشق کو اپنے میں جذب نہ کرلیں۔ ان کا پورا لطف اُٹھانا ناممکن سا ہے۔

اسی وجہ سے مولینا نے فوراً جہانگیر اور نورجہاں کا ڈرامہ لکھنا شروع کردیا۔ کیونکہ ہندوستان بھر میں خاص مشہور عشقیہ قصوں

میں سے ضرور یہ ایک ہو سکتا ہے۔ یہ تمام واقع ۱۸۸۵ء کے قریب کا ہے۔ اس عرصہ میں تھوڑا سا حصّہ تیار ہوا کہ دیوانگی نے قلم چھین لیا۔ اس کے بعد عرصہ تک کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ ۱۹۰۶ء میں مکرم و معظم شیخ عبدالقادر صاحب نے مختصر سا حصّہ مخزن میں چھپوا کر طبیعتوں کو بے چین کر دیا۔ اور ہر طرف سے تعجب اور افسوس کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اس کے سوائے ہو بھی کیا سکتا تھا۔

اب اتفاقاً مجھے مولینا کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک پرانا سا کاغذ ملا جس پر انہوں نے آیندہ ڈرامہ کے لئے ایکٹ لکھے تھے۔ وہ کاغذ میں نے اپنے بزرگ و محترم جناب حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی کی خدمت میں روانہ کر دیا کیونکہ میرا ذاتی خیال ہے خواہ تمام اُردو دان اس پر متفق نہ ہوں کہ آج ہندوستان میں سلیس اور درد انگیز اُردو لکھنے والا

ان کے سوائے کوئی نہیں۔ اس پر مولینا آزاد کی شاگردی کا طرّہ ان کے لئے سند اور قبالہ ہے۔ جہاں بات کی گنجائش ہی نہیں۔

غرض کہ میر صاحب نے حقِ شاگردی ادا کیا اور خوب ادا کیا۔ نہایت محنت اور احسان فرما کر اپنے اُستاد کی نایاب بنیادوں پر ایک مستحکم عمارت چُن دی۔ جس کا شکریہ جب تک یہ ڈرامہ قائم ہے ہوتا رہے گا۔ اب رہا یہ سوال کہ پیوند کیسا رہا تو آج ڈرامہ لکھنے والے بہت۔ مگر ادب اور مذاقِ زباندانی سے نابلد۔ حضرتِ آزاد کی تصنیف کا درد کیسے۔ ان تمام باتوں پر غور کرتے ہوئے یہ ہی غنیمت معلوم ہوگا۔ خواہ لوگ زربفت میں ٹاٹ ہی کیوں نہ کہیں۔ اور سب سے زیادہ احسان میر صاحب کا یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے اُستاد کی ایک نامکمل بہت جلد مٹ جانے والی۔ تھوڑے عرصہ میں بھول جانے والی

تصنیف کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کیسا محفوظ کر دیا۔ ورنہ وہ کبھی کا ناپید ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میر صاحب کا تاریخی مذاق قابل داد ہے۔ اگرچہ بعض جگہ ان کا اپنا اصلی رنگ جو تاریخی قصوں میں ہندوستان بھر میں ان کا خاص حصہ ہے۔ جھلک مارنے لگتا ہے۔ اور ڈرامہ کا نقشہ ذرا پھیکا پڑ جاتا ہے۔ مگر یہ تمام خوبیاں اب مولینا کے ڈرامہ کی بقا اور میر صاحب کی تعریف کے ساتھ زندہ رہیں گی اور حق شاگردی پر سند ہو کر چمکیں گی۔

دُعا کا محتاج

طاہرہ نبیرہ آزاد

۲ر نومبر ۲۲ء

ڈرامہ اکبر

پہلی جھلک

وقت کا فرشتہ ہوں۔ میرے پروں کی قینچی اطلسِ زمانہ
کو کترتی چلی جاتی ہے۔ میری بغل میں انقلابوں کا ذخیرہ ہے۔
ابھی خوشی ابھی ملال۔ ابھی بدر ابھی ہلال۔ ابھی اوج ابھی زوال
ابھی بارش ابھی خشک سال۔ ابھی خزاں ہے ابھی بہار ہے
یہ جنگل ہے یہ گلزار ہے۔ پر اسی سے اس کی بہار ہے یہ نہ ہو
تو وہ بیکار ہے۔ مدّت تک خون خرابے شور شرابے ہوتے

اب ذرا اعتدال کا موسم آیا ہے۔ الٰہی تیرا شکر اتفاق کا شرف اختلاف برطرف۔ آگ پانی کا میل۔ بلکہ پانی آگ پر تیل مچھلیاں چاہیں تو ہوا میں اُڑیں۔ کبوتر چاہیں تو پانی میں رہیں ہاں ورق اُلٹ جا۔ زمانے پلٹ جا۔ دُوئی ہٹ جا۔ رات دن ہو جا۔ فتنے سو جا۔ صبا بہار کو بلا لے۔ بہار پھول کھلا دے نیساں موتی برسا۔ ہوا ! جہاز کنارے لگا۔ سورج سونا بنا سخاوتیں ہوں گی۔ جہاز جنس منفعت اُتارو تجارتیں ہوں گی۔ عالمو آؤ خوشخوانیاں کریں۔ ہنرمندوں کی قدردانیاں کریں اکبر بادشاہ کلانور میں تخت نشین ہو چکا فرمان جاری ہو گئے۔

(سوار خانخاناں کے ڈیرے پر آیا)

سوار۔ خانخاناں کا خیمہ کدھر ہے۔

پہرہ دار شاہی۔ وہ جہاں سُرخ نشان لہرا رہا ہے۔

خدمتگار۔ خیر باشد۔ کہاں سے؟ بہت ہی گھبرائے نظر

آتے ہو۔

سوار۔ جلدی اطلاع دو۔ دلی سے کمر باندھ کے پھر کھولی نہیں۔

خدمتگار۔ حضور دلی سے سوار آیا ہے۔

خانخانا۔ ابھی ابھی ابھی۔

(سوار داخل ہوا اور آداب بجا لایا)

خانخانا۔ چہرہ روشن ہے اور قدم بڑھا ہوا پڑتا ہے کہ ڈالو بہادر کیا خوشخبری لائے؟

سوار۔ انشاء اللہ۔ انجام خوشخبری سے (خط) ملاحظہ فرمائیں۔

(خانخانا خط لئے اکبر کے پاس آیا)

اکبر۔ خان بابا خیر باشد؟

خانخانا۔ سوار دلی کا چلا ہوا اسی وقت آیا ہے۔ اور خبر لایا ہے کہ ہیمو نے دار الخلافہ لے لیا۔

اکبر۔ اللہ۔ اللہ ہیمو ہیمو اب کیا کرنا چاہیے۔

خانخاناں

در ہمہ کار مشورت باید
کار بے مشورت نکو ناید

اکبر۔ بہت مناسب ہے اہلِ مشورت کو بُلاؤ۔

(خانِ اعظم منعم خان خضر خواجہ داخل ہوئے)

خانخاناں۔ اے ارا کین مملکت۔ اے اساطین سلطنت

تم سے قائم ہے سلطنت۔ تم سے دائم ہے مملکت۔

ابھی جانبِ شرق سے اک سوار
سوارِ سرِ توسنِ اضطرار

یہ دہلی سے آیا ہے لیکر خبر
کہ عدلی کا موذی وہ ہیمو ڈھوسر

لئے ساتھ اِک لشکرِ بیشمار
کہ تھے جس میں فیلانِ جنگی قطار

بنگالہ سے چلا ایک ہی میدان میں لشکرِ شاہی کو ہٹا دیا۔ اب دہلی

کو جیت بکرماجیت کا لقب لیا ہے اور بڑھا چاہتا ہے۔

کرو مشورت اس میں اے ذوصلاح
پئے ملک و دولت جو کچھ ہو صلاح

(سب دم بخود)

خان اعظم - ایسے نازک وقت میں کہ جنت مکانی نے ابھی استقلال بھی نہ پایا تھا - ان کا مرجانا - اس پر بنگال سے دِلّی تک دفعتہً ہاتھ سے نکل جانا اور پھر مقابلہ پر ایسے دشمن قوی کا آنا نہایت خطر کا مقام ہے -

خضر خواجہ - پناہ بخدا - اگلے پچھلے انقلاب سامنے کھڑے ہیں اس وقت مصلحت تو یہی ہے کہ اطمینان کے ساتھ کابل میں چل بیٹھیں چڑھتے سال خاطر خواہ بندوبست کر کے ادھر آئیں -

خانخاناں - آج کچھ نہ ہوا تو سال آئندہ کیا ہوگا - بادشاہ تو لڑکا ہے - خواہ بدنامی - خواہ نیک نامی جو کچھ ہے تمہارے سر ہے - دال خور بنئے کے سامنے سے ہٹ جانا بڑی شرم کی بات ہے -

خضر خواجہ۔ نہیں اسے ہٹنا نہیں کہتے۔ سال آئندہ کچھ دُور نہیں۔
خان اعظم۔ نازک وقت ہے۔ حضور کے دادا کا زمانہ دیکھا شاہ جنت مکان کا عہد دیکھا۔ خدا کی پناہ۔ فلک نے پھر وہی وقت دکھایا۔
شیخ گدائی۔ اپنے ملکوں میں ایک جگہ بات بگڑی تو دُوسری جگہ ٹھکانا ملنا بھی آسان ہے اس غیر ملک غیر قوم میں انسان کیا کرے۔

(اکبر اور خانخاناں میں سرگوشی)

اکبر۔ خان بابا تم کہو۔
خانخاناں۔ ناحق ہمت ہارے دیتے ہیں۔ کچھ بگڑا نہیں ناحق بنی بنائی سلطنت ہاتھ سے دیتے ہیں۔
اکبر۔ تب کرنا کیا چاہیئے۔ ہمیں تو کچھ بھاتا نہیں۔
خانخاناں۔ میری یہ لوگ مانتے کے نہیں۔ مگر دستِ اقبال حضور کا

سر پر ہو تو سب آسان ہے۔
اکبر۔ میں نے کُل اختیار تمہیں دیا۔ تم پھر سلسلہ جنبانی کرو دیکھو
میں کیا کہتا ہوں۔
خانخاناں۔ اے ارا کین صاحب تمکین۔ جوہر تیغ تم میں نقش نگین
خیال کرو کہ ابھی جن جن کی رفاقت کا تم نے دم بھرا۔ ان اولوالعزموں
نے کیسی کیسی تلواریں مار کر یہ ملک لیا۔ اور شہر طہران ایران و
توران میں ہمارا تمہارا نام روشن کیا۔ وہ دنیا سے گئے اور
اس گل نوشگفتہ کو تمہارے دامن جاں نثاری میں چھوڑ گئے
اگر آج چُپ چپاتے ہم تم یہاں سے سفید ڈاڑھیوں میں جا نیں
چھپا کر نکل گئے تو سلاطین روئے زمین یہی کہیں گے کہ بادشاہ
تو لڑکا تھا۔ ان بڈھوں کو کیا ہوا کہ ایک ڈھوسر کے سامنے
سے ترک دم جھپا اگ گئے۔ خوب باپ دادا کا حق نمک ادا کیا
کیا کروں مجھ سے تو مروت کی آنکھوں میں خاک نہیں ڈالی جاتی۔

خان اعظم۔ نامردی کی تو کچھ بات نہیں۔ سپاہی وُہی ہے جو موقع دیکھ کر جان پر کھیلے۔ فقط اِتنی بات ہے کہ خفض خواجہ سالِ آئندہ پر ملتوی رکھتے ہیں۔

خانخاناں۔ اگر مرنا ہے تو اب بھی مرنا۔ برس دن بعد بھی مرنا البتہ اب دِلی سے ملک لینا ہے پھر بہت دور سے لینا پڑیگا اور سُنو صاحب ایک دفعہ مرکر پھر مرنا نہیں۔ برائے خدا اِس سفید ڈاڑھی پر میرا مُنہ کالا نہ کرواؤ۔ اِتنے دن جئے تو کیا لیا بڑھاپے میں برس دن اور جیو گے تو کیا لے لیں گے۔ آگے جو حضور فرمائیں۔

اکبر۔ خان بابا۔ تمہاری رائے بالکل درست۔ کوئی جائے خواہ رہے۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ؎

مست کی ہِام سے گذرتی ہے باد لا آرام سے گذرتی ہے
بوالہوس کی جہانِ فانی میں درم و دام سے گذرتی ہے

خود غرض کی غرض پرستی ہیں جان خود کام سے گذرتی ہے
دم ولیکن ہوا ہے نیستے خاک مرد کی نام سے گذرتی ہے

جو ہو سو ہو اب یہیں کابل اور یہیں بابل۔ جانا کہاں اور پھر آنا کہاں۔
یا تخت یا تختہ۔

(سب دم بخود)

خانخاناں۔ پھر اب کیا حکم ہے؟
اکبر۔ بس حکم کیا۔ کہو لشکر تیار رہو۔ ہمت مرداں مددِ خدا۔ ان میں سے
کوئی صورت ایسی نہیں نظر آتی کہ جو مجھے چھوڑ کر چلی جائے۔

آغا اقبال خواجہ سرا۔ حضور یہ کس کی تصویر ہے۔
اکبر۔ ہیمو کی۔
آغا اقبال۔ یہ بند بند الگ؟
خانخاناں۔ انشاءاللہ ایسا ہی دیکھیں گے۔

آغا اقبال - کوئی سوار ہے کہ کوڑا مارے چلا آتا ہے۔

اکبر - لانا ہماری دوربین۔ اُوہو نظر قلی ہے۔

نظر قلی - حضور فتح مبارک۔

اکبر - خان بابا! اسے خوشخبر خاں کا خطاب دینا چاہیے۔ کہو خوشخبر خاں
میدانِ جنگ کا کیا ڈھنگ ہوا؟

نظر قلی - اقبال خداوندی زیادہ۔ غنیم نے پانی پت کو پشت پر رکھ کر
فوج ڈالی تھی۔ اور اس کے قبضے میں نہر کی نالی تھی۔ سوار پیادے
بے ٹھکانے اور ساتھ کئی توپخانے تھے۔ دلی سے لشکر تک رسد کا بھی
تانتا لگا تھا۔ غرض سپاہگری کے رو سے کسی بات کی کسر نہ تھی مگر کل کا
ذکر ہے کہ رستم ثانی حضور کا سیستانی توپخانہ ہاتھوں پر گھسیٹ لایا۔ غنیم نے
اس پہ بھی پروا نہ کی اسے بڑا گھمنڈ ہاتھیوں کا تھا۔ کہ سارے بنگالہ کے
ہاتھی سمیٹ لایا تھا۔ حضور! ایک بجلی بن تھا کہ کالی گھٹا کی طرح کھڑا جھوم
رہا تھا۔ غرض کہ ہمارے لشکر میں بھی اگرچہ کئی دن سے بخیالِ شبخون رات

آنکھوں میں کٹتی تھی مگر آج کی رات دونوں طرف برچھی کی انی پر گذری
پچھلے پہر رات تھی جو ہاتھیوں کی ٹاپوں نے کان گنگ کر دیئے اتنے میں
خبرداروں نے آکر خبر دی کہ ۱۵ سو جنگی ہاتھی لوہے میں غرق ہو کر میدان میں
سد سکندر ہو گیا۔ دایاں بایاں آگا پیچھا افغانوں کے پیادوں اور
سواروں سے درست کر کے بیچ میں خود ہیمو یراق جنگی سج کر تیر کمان
ہاتھ میں لئے ہوائی نام ہاتھی پر صندوقی ہودہ میں بیٹھے قلب میں قائم
ہو گیا ہے۔ یہ سنکر حضور کا سیستانی شیر جاں نثاران دلیر کو لیکر شیر کی طرح
بپھرا ہوا نکلا۔ صبح ہوتے ہوتے ادھر بھی قلعہ فولاد قائم تھا ابھی نائرہ جنگی
پھوٹ نہ پڑی تھی کہ وہ گنیش ہودیوں کی قطار بادل کی طرح گرجتی
آگے بڑھی اور ہاتھیوں کی ہتھیائی سے آگا ہماری فوج کا پیچھے ہٹا
اتنے میں داہنی طرف سے پٹھانوں نے ایسا سخت حملہ کیا کہ دائیں
کو الٹ کر بائیں پر دے مارا۔ اور ساتھ ہی قلب میں ہل چل پڑ گئی مگر
واہ رے سیستانی شیر۔ بیرم خانی دلیروں کو ساتھ لیکر ارجن کے بان بنا

آگے بڑھا اور دم میں اس کالی گھٹا کے دھوئیں اُڑا دیئے۔ بہادر خان بائیں کو کمک غنیم کے قلب پر گرا اور دم میں زیر و زبر کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر اس کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی۔ حضور پھر تو یہ عالم ہوا کہ ہیمو خود ہودہ میں کھڑا ہوا دیوانوں کی طرح ہاتھی دوڑاتا پھرتا تھا اور بھگوڑوں کو بلاتا تھا مگر کوئی سنتا نہ تھا اسی عالم میں یہ غل ہوا کہ اس کی بھینگی آنکھ میں تیر۔

آغا اقبال۔ اسے لیجئے وہ بھی حاضر ہو گیا۔

(ہیمو گرفتار ہو کر آتا ہے)

خانخاناں۔ ہاں سامنے لاؤ۔ ہیں۔ تم نے گرفتار کیا۔

اکبر۔ سچ کہو کس نے گرفتار کیا۔

سوار۔ حضور کسی نے نہیں پکڑا فقط حضور کے اقبال نے پکڑا ہے غلام کو ایک ہاتھی بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔ آوارہ سمجھ کر گھوڑا پیچھے ڈالا اور تیر کمان میں جوڑ کر فیلبان کو آواز دی کہ روک اسے۔ اس نے گھبرا کر آواز دی کہ ہاتھ روکنا۔ تمہارا مطلب میرے پاس ہے غلام

اسی وقت سمجھ گیا اور ادھر روانہ ہوا۔

اکبر۔ فوجدار! تم کہو کہ اس پر تیر کھا کر کیا گذری۔

مہابت۔ جہاں پناہ! جی کی اماں پاؤں تو عرض کروں۔

اکبر۔ کہہ تیری جان تجھے بخشی۔

مہابت۔ حجور نام ہیمو ہے پر دل بکرماجیت کا ہی لایا ہے۔ آنکھ میں تیر لگا پر تیور میلا نہ کیا۔ تیر کو ہاتھ سے کھینچ کر گلام کی گود میں پھینک دیا۔ اپنے ہاتھ سے رومال آنکھ پر باندھ کھڑا ہو گیا اور برابر فوج کو آوازے دیئے گیا پر حجور کے اقبال سے کون مقابلہ کرے اکھڑ گرنا ہی تھا۔

شیخ گدائی۔ حضور! پہلی فتح ہے حضور ہاتھ لگائیں۔

اکبر۔ اس مردہ پر کیا تلوار ماروں۔

شیخ گدائی۔ حضور! شمشیر اکبری سے اس کا سر جدا ہو تا کہ جہادِ اکبر ہو۔

اکبر۔ پہلی تلوار پڑے اور دست اور پا بستہ پر۔

خانخاناں۔ (دو زانو کھڑے ہو کر) بسم اللہ! اللہ اکبر و مرڈیلی اور سر جلد

کابل کو روانہ کرو کہ بالاحصار کے دروازے پر آویزاں ہو۔

دوسری جھلک

خوش نظر۔ آج مینا بازار لگا ہے چلو دیکھ آئیں۔

خوش گذر۔ کیا ہوگا۔ کیوں ناحق حیران ہوتے ہو۔ بہت میلے دیکھ لیے۔

خوش نظر۔ ارے میاں زندگی کا میلہ ہے چلو۔ یک نظر سے خوش گذر کے لے لو وہ خانہ بدوش بھی آن پہنچے۔ ان سے پوچھو نہ۔ کہیے صاحب کیا کیا دیکھا۔

خانہ بدوش۔ کیا کہوں۔ کتابوں میں دیکھ دیکھ کر بہشت کا تصور کیا کرتے تھے آج اس بادشاہ نے آنکھوں سے دکھا دیا۔

خوش نظر۔ بھلا پھر اس میں سے کچھ سناؤ تو سہی کہ ہم بھی ایمان لائیں۔

خانہ بدوش ۔ کیا کیا کچھ کہوں ۔ وہاں کی تو بات بات عجائب ہے
خیر اول مقام کا نقشہ کھینچتا ہوں کہ ۸ چوپڑ کے چوک ۔ جن کے چاروں
طرف نہایت وسیع بازار بیچ میں برابر چمن بندی چلی گئی ہے جس کی
کیاریوں میں کشمیر اور کابل کے فرشی پھولوں نے وہ گلکاری کی ہے کہ
قالین ہائے مخمل کو بھی گرد کر دیا ہے ۔ اور باغبانوں نے بھی اس طرح
سے تخم ریزی کی ہے کہ جو پھول اگا ہے گویا قالین کا بیل بوٹا
حاشیہ ترنج بنتا چلا گیا ہے ۔ بیچوں بیچ ہم ایک سنگ مرمر
کی نہر جس کا آب باریک تہ کی سفیدی سے کہکشاں میں سیماب بہا
رہا ہے اور اس میں جو جانوران آبی و ہوائی کی تصویریں ہیں اس طرح
تھرا رہی ہیں گویا اب اڑ کر شکل فوارہ پر جا بیٹھتی ہیں ۔

خوش نظر ۔ اب آپ فسانہ عجائب کی قصہ خوانی تو موقوف کیجئے
اصل حال سنائیے ۔

خانہ بدوش ۔ پھر تو مشکل ہے کہ تم کہانی اور قصہ خوانی سمجھے ہو

اور میں کہتا ہوں کہ اصلیت کا حق شمہ بھی نہیں ادا ہوا۔ خیر اب بازار کی کیفیت سنئے کہ دونوں طرف قد آدم بلند چبوتروں پر خیمے اور شامیانے کھڑے کر کے انہیں باد لے تاش تمامی اطلس فرنگی مخمل کاشانی شال کشمیری سقرلاط رومی زربفت بنارسی سے سجایا تھا اور بلور آلات سے بقعہ نور بنایا تھا۔ صاحب سلیقہ دکاندار اپنے اپنے اجناس لگائے بیٹھے تھے مگر چوک پر پہنچ کر کچھ اور ہی عالم تھا۔ کیونکہ وہاں عمارات عالیشان تھیں۔ جن میں دو دو تین تین ارکان دولت اپنے اپنے فنون اور کارخانوں کی زرق برق دکھا رہے تھے پہلے ہی چوک میں ایک طرف ابوالفضل ایک طرف فیضی بیٹھے تھے، ابوالفضل کے گرد الماریوں میں کتابیں چنی تھیں علما فضلا اور بہت سے سخن فہم گرد بیٹھے تھے اور وہ خود آئین اکبری سنا رہا تھا فیضی کے ہاتھ میں نل دمن تھی کہتے ہیں قصیدہ بہشت کا بہت خوب کہا ہے جب جہاں پناہ آئیں گے تو سنائے گا۔ اس کے پاس بھی بڑا مجمع تھا

کچھ سنائی تو دیتا نہ تھا مگر واہ وا واہ وا بہت ہو رہی تھی۔
خوش گذر۔ بارے فیضی اپنے کتے وہاں تو نہیں لائے۔

خانہ بدوش۔ ہاں عجیب لطیفہ ہوا تمام بازار میں بھی چرچا ہو رہا تھا کہ عرفی بھی پھرتے ہوئے وہاں آنکلے اور فیضی کے پاس آکر بیٹھے ایک کتا دم ہلاتا ہوا آیا اور اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ فیضی اسے بیٹا بیٹا کہہ کر پیار کرنے لگا عرفی نے مسکرا کر کہا کہ ایں صاحبزادہ چہ نام دارد۔ فیضی نے ہنس کر کہا کہ سگ را نام چہ باشد۔ خود عرفی ست۔ عرفی نے کہا کہ (فیضی کا باپ) مبارک باشد۔

ایک چوک میں امیر فتح اللہ شیرازی بیٹھے تھے کتابیں تو انہوں نے بہت چنی تھیں مگر آلات ریاضی اور سامان جر ثقیل اور اسباب رصد و ہیئت ایسا لگایا تھا کہ بطلیموس ہی آکر سمجھے تو سمجھے نہیں تو کچھ معلوم نہیں ہوا۔

خوش نظر۔ اجی بیربر کو دیکھا تھا وہ کس رنگ میں تھے۔

خانہ بدوش - ہاں مزے میں تھے۔ بہت سے لوگ گرد بیٹھے تھے
وہ اپنے اشلوک سنا رہے تھے دور سے کچھ سنائی تو دیتا نہ تھا مگر یہ
معلوم ہوتا تھا کہ جتنے بیٹھے تھے سب ہنس پڑتے تھے حکیم ہمام کو دیکھا
عطاری کی دکان خوب سجائی تھی مربع مرتبان - الماس تراش شیشے
قرعنیق بھپکے اور دوا سازی کے سامان سب موجود تھے - ایک
طرف فن جراحی کے اوزار بھی تھے مگر دور سے اچھی طرح دکھائی نہ دیتے
تھے لوگوں کا ہجوم بہت تھا -

خوش نظر - ٹوڈریل کی تو کچھ سناؤ -

خانہ بدوش - موٹے موٹے بستے تو بہت دھرے تھے مگر رونق کچھ
آزاد نہ تھی اپنا ہی کھاتا لگائے بیٹھے تھے اور چند متصدی لکھنے والے
بغل میں قلمدان کھڑے مکھیاں مار رہے تھے -

صاحب اجودن تو نہا ناپر تھا - ایک چوک کا چوک قبضہ میں
کر لیا تھا - تمام اسلحہ جنگ اور حرب اور ضرب کے سامان - جہاں

جہاں میدان مارے ہیں ان لڑائیوں کے مرقع اس خوبصورتی سے
سجائے کہ جو وہاں جا نکلتا تھا ہٹنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ شاہانہ آن بان
سے دربار لگاتے بیٹھا تھا امرا و ادا کین گرد بیٹھے تھے شعرا قصیدے
سنا رہے تھے اور وہ مٹھیاں بھر بھر کے دیتا جاتا اشرفیاں ہی ہونگی
ایک طرف باورچی خانہ گرم تھا۔ لوگ کھاتے تھے اور مونچھوں پر تاؤ
دیتے چلے جاتے تھے۔ ہاں صاحب۔ لوگ کہتے تھے کہ سوا لاکھ روپیہ
کا چبوترہ بھی باندھا ہے حضور آئیں گے تو ٹھوکر مار کر لٹائیں گے
ارغنون خود بخود بڑا بجتا ہے۔ بیلون کے اڑنے کی تیاریاں ہو رہی
ہیں۔ صاحب۔ فرنگیوں نے غضب کا طلسمات کر رکھا ہے بیلون
کیا ہے ایک جہاز کا جہاز ہے۔ ایک آتشی گبند بنائی ہے کہ زمین پر
انگاری کی طرح لوٹتی چلی جاتی ہے اور بجھتی نہیں۔ کہتے تھے کہ رات
کو چوگان کھیلیں گے۔ وہیں فرائی ٹون بھی دوڑا دوڑا پھرتا تھا۔
کوکلتاش خان نے بھی دھوم دھام تو اچھی کر رکھی تھی۔ خانخاناں کا

منہ چڑاتا تھا۔ مگر اس کی بات اسی کے ساتھ ہے۔ اس کا اپنا حسن خداداد وہ ہے کہ سارے بازار کو جگمگا رکھا تھا۔ میاں صورت دیکھے سے آنکھوں میں نور آتا تھا۔

خوش نظر۔ میاں خانہ بدوش۔ تم نے خان خاناں کو کیا دیکھا ہے خدا جانے تم ان دنوں میں کہاں ہو گے۔ اسکے حسن کی بہاریں ہم نے ہی لوٹیں ہیں۔

بازارِ حسن

آج باغ میں جوانانِ چمن سر جھکائے کھڑے ہیں۔ موجِ آبِ رواں کی چادر کترتی ہے۔ شبنم نقابیں تیار کرتی ہے۔ نرگس اِدھر نہ دیکھیو سوسن ذرا زبان کو روکیو۔ آج گل و بلبل میں باتیں ہونگی۔ سرو و قمری کی ملاقاتیں ہونگی۔ اکبر نے مینا بازار سجایا ہے۔ اور بیگمات کیسا ٹھٹھ

امیروں وزیروں کی بیبیوں کو بُلایا ہے - پرندہ پر نہ مارنے پائے
ایک شاہ آئے - ایک شہزادہ آئے -

شہزادہ نشہ میں لڑکھڑاتا - بھیڑ بھاڑ سے گھبراتا - ایک روش پہ
اکیلا جا نکلا - سامنے سے دیکھتا ہے کہ ایک نوجوان لڑکی گلاب کا پھول
ہاتھ میں لئے چلی آتی ہے - وہ تو اکیلی ہے - مگر بادِ نسیم پنکھا جھلتی ہے
گلوں کی سُرخی چہرے پر قربان ہوتی ہے - تبسّم پیشِ لب رقص کرتا آتا ہے

جہانگیر - (دل میں کہتا ہے)
یہ پھولوں بھری ٹہنی ہے ؟ کیسی لہکتی ہے - صبا نے بہار کی پشواز
پہنی ہے - کیسی مہکتی آتی ہے - تارا ہے کسی نے آسمان سے اُتارا ہے
یا پری ہوا سے اُتر پڑی ہے - نہیں - نہیں - کوئی ارمان بھری ہے
ماں باپ کے نازوں کی پلی ہے - پر خدا جانے کس باغ کی کلی ہے

کورس - ایک نوجوانی دیوانی - اس پر شراب ارغوانی - شہزادہ
مست مخمور تھا - پر اسے دیکھ کر آنکھیں کھُل گئیں -

جہانگیر۔ (دل میں کہتا ہے) - الامان - الامان حسن! اللہ رے تیری شان

کچھ عجب رنگ عجب ڈھنگ ہے، سبحان اللہ

واہ کیا جلوۂ نیرنگ ہے، سبحان اللہ

کیا ترا طرّۂ شب رنگ ہے، سبحان اللہ

کیا ترا چہرۂ گل رنگ ہے، سبحان اللہ

کچھ بات کروں؟ خدا جانے بولے کہ نہ بولے! ایسا نہ ہو کہ کچھ کہہ بیٹھے

کورس کہتا ہے۔ (ہاتھ میں دو کبوتر لئے تھا۔ لڑکی سے کہا)

جہانگیر۔ بی لڑکی! ذرا ہمارے کبوتر لینا - ہم یہ پھول توڑ لیں۔

لڑکی۔ بہت خوب۔

گل چین۔ پل کے پل میں ایک گلدستہ تیار کر کے لایا۔

جہانگیر۔ بی لڑکی۔ لائیے میرے کبوتر۔

لڑکی۔ یہ حاضر ہے۔

جہانگیر۔ ہیں۔ ایک کیا ہوا؟

کورس ۔ (لڑکی سہمی ہوئی صورت بنا کر بولی)

لڑکی ۔ صاحب عالم ۔ میں کیا کروں ۔ وہ تو اُڑ گیا ۔

جہانگیر ۔ ہیں ۔ کیونکر اُڑ گیا ؟

لڑکی ۔ صاحب عالم ۔ یوں اُڑ گیا ۔ (پھر سے دوسرا بھی اُڑا دیا)

جہانگیر ۔ (دل میں کہتا ہے) کبوتر گئے تو بلا سے ۔ بات کرنے کو بہانہ تو ہاتھ آیا ۔ کیا بات کروں ؟ میں تو خود بھولا جاتا ہوں ۔

جہانگیر ۔ بی لڑکی ۔ تمہارا کیا نام ہے ؟

لڑکی ۔ مہر النسا ۔

جہانگیر ۔ نہیں تم تو خورشید عالم ہو ۔ وہ کون سی مشرق ہے جہاں سے یہ سورج کی کرن نکلی ۔

لڑکی ۔ کیا فرمایا ۔ صاحب عالم ؟

جہانگیر ۔ (دل میں کہتا ہے) ہائے ابھی لڑکی البیلی ۔ لڑکیوں میں بھی نہیں کھیلی ہے ۔

جہانگیر۔ تم کس کی بیٹی ہو۔
مہرالنسا۔ ابوالحسن جو حضور کا ناظم بیوتات ہے۔ لونڈی اسکی بیٹی ہے
جہانگیر۔ نہیں۔ نہیں۔ تم جسے چاہو۔ لونڈی بنالو۔ جسے چاہو غلام بنالو۔
مہرالنسا۔ حضور کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔
جہانگیر۔ ہاں۔ ہاں میرے اوسان ٹھکانے نہیں۔ اس کے زہے
طالع جو تمہارا غلام ہو۔
(مہرالنسا خیال کرتی ہے۔ دیکھو جنہیں خدا بڑھاتا ہے وہ اپنے
تئیں ایسا گھٹاتے ہیں، انتہائے سادگی۔
(جہانگیر خیال کرتا ہے۔ خدا کرے ایک دم تو اور ابھی کوئی
نہ آئے۔ اب کیا بات کہوں؟)
جہانگیر۔ مہرالنسا۔ تم کچھ بات نہیں کرتیں؟
مہرالنسا۔ لونڈی کی کیا مجال۔ حضور سے بات کرسکے۔
جہانگیر۔ نہیں۔ میرے ایسے نصیب کہاں کہ تم بات کرو۔ اس

بھولے پن میں یہ میٹھی میٹھی باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟

مہرالنسا۔ حضور جس طرح بزرگوں نے آقاؤں سے باتیں کرنی سکھائیں ہیں۔ اسی طرح عرض کرتی ہوں۔ اب حکم ہو کہ لونڈی رخصت ہو۔ اماں جان راہ دیکھتی ہونگی۔

جہانگیر۔ اچھا کس منہ سے تمہاری بات کو رد کروں۔ مگر کس دل سے کہوں کہ چلی جاؤ۔

کورس۔ یہ اُدھر چلے۔ وہ ادھر چلیں۔ مگر شہزادہ دو قدم چلتا تھا اور پھر کر دیکھتا تھا۔ نور جہاں نے بھی مُڑ کر دیکھا۔ جہانگیر ٹھیر گیا۔

جہانگیر۔ دیکھنے۔ خدا پھر کب ملاتا ہے۔ ہمیں بھول نہ جانا۔

مہرالنسا۔ واہ میری کتنی سہیلیاں ہیں پر میں ایک کو نہیں بھولتی اور لونڈی بھلا اپنے آقا کو بھول سکتی ہے۔ حضور کو بھولیں تو رہیں کہاں۔

جہانگیر۔ دل میں رہو۔ جان میں رہو۔ آنکھوں میں رہو۔ مگر مہرالنسا۔ اب حضور حضور نہ رہے۔ اب حضور تم اور تابعدار ہم۔ ختم شد

مہرالنسا۔ صاحب عالم۔ حضور کیسی باتیں کرتے ہیں۔ خانہ زادوں سے اس طرح نہیں بولا کرتے۔

جہانگیر۔ میں تو نہیں کہتا۔ پر کیا کروں۔ اندر سے خود بخود آواز چلی آتی ہے۔ لو یہ گلدستہ میری نشانی لو۔ اور تمہیں خدا کے حوالے کرتا ہوں۔ اِدھر دیکھنا۔ ہمیں بھولنا نہیں۔ لو تمہیں اللہ کی امان۔

مہرالنسا۔ حضور کا بھی اللہ بیلی۔ اللہ نگہبان۔

کورس جس وقت رخصت کی نگاہیں ملیں محبت کا اثر دل و جان میں برابر دوڑ گیا۔ لڑکی کے پیشِ نظر ایک خونی بجلی چمکی۔ کسی نے داہنے سے آواز دی "خاوند کا خون ہوگیا"۔ کوئی بائیں سے بولا بلا سے بادشاہی تو پائی۔ پھر دیکھتی ہے ایک تختِ شاہانہ پر جہانگیر بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔ یہ بادشاہ کی بیگم بنی بیٹھی ہے۔ اور مہرِ سلطنت ہاتھ میں۔ عالم میں نور کی چاندنی ہے۔ لڑکی سہم گئی۔ حیران پریشان کچھ پشیمان کچھ شادمان۔

نورجہاں جب گھر میں گئی۔ تو شہزادے کی ملاقات کی ساری داستان ماں کو سنائی۔ وہ سنتے ہی سمجھ گئی۔ مگر دل میں کھٹک گئی۔ بادشاہ بیگم کے پاس کبھی کبھی ملنے کو جایا کرتی تھی۔ اور وہ بھی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اسی وقت سوار ہو کر محل میں گئی۔ اور جو کچھ بیٹی سے سنا تھا۔ حرف بحرف سنایا۔ بیگم نے کہا کہ بی بی۔ تم گھبراؤ نہیں میں اس کے ایسے کان مروڑوں گی کہ یاد کرے۔ بلکہ حضور سے کہکر اس کا پورا علاج کراؤں گی۔

اکبر ۔ بیگم ۔ اقبال

بیگم۔ حضور کے شیخو جی نے تو کام کیا!

اکبر۔ خیر باشد؟

بیگم۔ مرزا ابوالحسن بیوتات کی بی بی بڑی صاحب سلیقہ اور صاحب عصمت ہے۔ کبھی کبھی میرے پاس آتی ہے۔ اس کے ساتھ

اس کی لڑکی بھی آتی ہے ۱۲-۱۳ برس کی ہو گی حضور نے بھی اسے
دیکھا ہو گا!

اکبر — ہاں ہاں — شاید میں نے بھی اسے دیکھا ہے — سبز رنگ
بھولی بھولی باتیں کرتی تھی — چونچال لڑکی تھی۔ اب تو وہ بڑی ہو گئی ہو گی۔

بیگم — وہی — وہی! غرض کل جو مینا بازار لگا تھا تو اس میں وہ بھی
آئی تھی شیخو جی کی اور اس کی ایک روش پر کہیں مٹھ بھیڑ ہو گئی۔
اور اس سے اس طرح کی باتیں کیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی
نگاہ اس کی طرف اچھی نہیں۔

اکبر — کبھی بچپن میں یہ اور وہ ساتھ کھیلے ہیں؟

بیگم — کبھی نہیں۔

اکبر — پہلے کبھی اس کی ان کی بات ہوتے سنی ہے —

بیگم — نہیں۔

اکبر — اس کا نام کیا ہے؟

بیگم۔ مہرالنساء۔
اکبر۔ بلاؤ شیخو جی کو۔

اقبال خواجہ سرا شیخو جی کو لیکر حاضر ہوا

اکبر۔ شیخو جی! کل تم نے مینا بازار میں کسی کو گلدستہ دیا؟
جہانگیر۔ مہرالنسا کل روش پر چلی جاتی تھی اُس نے مجھے نہائت ادب سے جھک کر سلام کیا۔ میرا جی خوش ہوا ہاتھ میں گلدستہ تھا وہی دیدیا۔
اکبر۔ کچھ باتیں بھی ہوئی تھیں۔
جہانگیر۔ ہاں یہ بھی پوچھا تھا کہ تمہیں یہ باتیں کس نے سکھائیں وہ بولی بزرگوں کی تربیت نے۔
اکبر۔ بس اور تو کچھ نہیں؟
جہانگیر۔ اور تو کچھ یاد نہیں۔
اکبر۔ اے شیخو جی! (اور رو بہ فلک) دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے۔

تیسری جھلک

ایک طرف حسن ابدال کا گلزار ہے۔ قدرتی بہار ہے۔ پھول چہچہاتے ہیں۔ سبزے لہلہاتے ہیں۔ قدرتی نہریں۔ آبِ رواں کی لہریں۔ دوسری طرف اٹک کا کنارہ۔ پہاڑ کا اُتارا۔ دریا کے زور موجوں کے شور۔ بیچ میں دامنِ کوہ ہے۔ اکبری فوجوں کا انبوہ ہے خدائی شان و شکوہ ہے۔ جہانگیر شہزادہ سارے دن شکار کھیلا ہے شام کو تھکا ماندا پھر کر آیا ہے۔

جہانگیر۔ آج تو بدن چور چور ہو گیا۔

مصاحب۔ حضور! شہاب کو بلاؤں؟ چپی کرے۔

جہانگیر۔ بدن کی چپی سے کیا ہوتا ہے۔ دل تھک گیا ہے جان تھک گئی ہے ایسی تھکن میں نے آج تک نہیں دیکھی۔

مصاحب۔ کہہ تو نہیں سکتا لیکن تھوڑا سا عرقِ انگور نوش فرمائیں

اکبر۔ شیخ جی کیا لکھتے ہیں۔ اور ہمارے شیخو جی کیا کرتے ہیں۔
ابوالفضل۔ شیخو جی شیخ جی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ خلوت پسند کرتے ہیں
دربار کم کرتے ہیں۔ تمام اہلِ دربار اور دکن کے سردار آتے ہیں بیٹھ بیٹھ کر
چلے جاتے ہیں۔
راجہ مان سنگھ۔ غلام بھی سنتا تو ایسا ہی ہے۔ مگر خدا حضور کو سلامت
رکھے۔ شہزادے کے بھی یہی عیش کے دن ہیں۔ جو باتیں ہیں مقتضائے
سن ہیں۔
اکبر۔ آخر ہم بھی تو کبھی اس سن میں تھے۔ جب ہمارے سامنے یہ یہ کیا کیا
ہیں تو ہمارے بعد کیا کچھ کریں گے سخت مشکل ہے۔
ابوالفضل۔ مہابلی مشکل تو یہ ہے کہ شراب کی طرف بہت رغبت ہو گئی
ہے اور خدا نہ کرے جو کچھ کہ اس کا انجام نظر آتا ہے۔
اکبر۔ ایسی باتوں میں مصاحبوں کی تدبیر کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ان کو لکھو۔
ابوالفضل۔ مہابلی! انہی خانہ خرابوں کی تو خرابیاں ہیں نادان دوست ہیں

بے مغز پوست ہیں۔ وقت کے یار ہیں۔ انجام کے عیار ہیں۔ عارف روم انہی کے حق میں کہتا ہے ؎

اے برادر دور باش از یارِ بد — یارِ بد بدتر بود از مارِ بد
مارِ بد تنہا ترا بر جاں زند — یارِ بد بر دین و بر ایماں زند

اکبر۔ شیخو جی تو شراب پیتا نہ تھا۔ یہ بلا کہاں سے اس کے پیچھے لگ گئی؟

مان سنگھ۔ لوگ حکیم صاحب کی حکمت کہتے ہیں۔ یہ بھی حضور میں حاضر ہیں۔

حکیم ہمام۔ بلاگردان شاہ۔ ؎

مے کہ بدنام کند اہلِ خرد را غلط است
بلکہ مے میشود از صحبتِ ناداں بدنام

غلام وقتیکہ تجویز کردہ بود۔ اول گفتہ بود کہ شراب دواست۔ نہ کہ ہمیں آب و ہمیں غذا۔

مان سنگھ۔ حضور۔ اس کمبخت میں عیب یہی ہے۔ کہ دوا ہو کر رہ

نہیں سکتی۔

اکبر۔ ابوالفضل اچھا شیخ جی کو ہماری طرف سے خط لکھو۔

اور شیخو جی کو تم خط لکھو کہ ان نادان دوستوں کو دفع کرو۔

اکبر۔ تم نے سنا شیخو جی نے دکن کا بندوبست اچھا کیا۔

حکیم ہمام۔ سب حضور کا اقبال ہے شہزادے کی طبیعت نے

کمال صلاحیت کے ساتھ انقلاب کیا۔

اکبر۔ جی چاہتا ہے کہ اب تو شیخو جی کے سر پہ سہرا بندھا دیکھئے۔

بیربل۔ ظل الٰہی! حضور کا جی چاہا ہے تو ہو ہی جائے گا۔

اکبر۔ ابوالفضل! مناسب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہماری ایسی ہو جو

بادشاہ بیگم بن کر حکمرانی کرے۔

ابوالفضل۔ ظل الٰہی عین مناسب ہے۔ اور چند در چند مصلحتوں [illegible]

مناسب سمجھے۔

اکبر۔ دیوان جی۔ ہمیں یاد ہے جس دن شیخو جی پیدا ہوئے جشن منایا گیا تھا

تم نے پیش کیا تو ہم نے تم سے کہا تھا کہ راجہ اودے سنگھ کے ہاں کا حال دریافت کرو۔ اور ہو سکے تو تصویر منگاؤ۔

ٹوڈرمل۔ مہابلی غلام نے اسی دن تعمیل کی تھی۔ تصویر حاضر ہے اور حال بھی دریافت کیا تھا۔ صورت۔ سیرت۔ شرم حیا کا طور طریقہ جو رانیوں اور شہزادیوں کو چاہیئے سب خوبیاں موجود ہیں۔

اکبر۔ بیربل! یہ تصویر تو دیکھو۔ اس لڑکی کا قیافہ کیا کہتا ہے؟

بیربل۔ حکیم جی تم دیکھو۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیشانی میں بخت اقبال ستارہ کی طرح چمکتا ہے۔ صاف کہتا ہے کہ تاج کو اس کے خاندان سے باہر نہ جانے دوں گا۔

حکیم ہمام۔ فی الحقیقت عجب نورِ اقبال ہے اور آنکھ میں حیا ہے کہ طبیعت کے تحمل مزاج کی بُردباری سے خبر دیتی ہے۔ چہرے پہ رعب داب شاہانہ ہے۔ آیندہ اقبالِ خداوندی سب پر غالب ہے۔

اکبر۔ ابوالفضل! کیا صلاح ہے؟ راجہ پہلو تو نہ بچائے گا؟

ابوالفضل۔ مہابلی کے اقبال نے دلوں میں دلداری کے نہال ایسے پرورش کیے ہیں کہ جو چاہیں وہی پھل لائیں۔ مگر شہزادے کی طبیعت کی طرف سے ذرا خیال ایسا نہ ہو کہ کریں کچھ اور۔ اور ہو جائے کچھ اور۔

ٹوڈرمل۔ حضور! عمر بھی ایک اثر رکھتی ہے۔ خدا حضور کا سایہ سر پر سلامت رکھے۔ آپ ہی سمجھ جائیں گے۔

اکبر۔ آخر ہم ہمیشہ بڈھے ہی تو نہ تھے۔ جب ہم نے گجرات کی یلغار میں ۲۷ منزل کو ۹ دن میں طے کیا تو ہماری کیا عمر تھی۔

خانخاناں۔ حضور کوئی ۳۰۔۳۱ برس کی۔

اکبر۔ اللہ اکبر۔ خان خاناں۔ دیکھو! کل کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو مجھے خوب یاد ہے کہ حملہ کے وقت نشان تمہارے ہاتھ میں دیا اور تمہیں تیرھواں برس تھا۔ جب ہیمو کا معرکہ مارا ہے تو ہم بھی ۱۳ ہی برس کے تھے۔ مگر یقین جاننا کہ ایسی ایسی باتوں کا کبھی خیال تک بھی نہیں آیا۔

ٹوڈرمل۔ مہابلی! کہاں وہ اور کہاں آپ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اکبر۔ ابوالفضل! ہماراجی چاہتا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں صندل ہو۔ اور بیربل کے ہاتھ سے اس مبارک بادی کا ٹیکا لگے اور حق یہ ہے کہ تمہاری سربراہی کے بغیر یہ معاملہ رو براہ نہ ہوگا۔

ابوالفضل ۔ جو مہابلی کا حکم ہو۔ غلاموں کی عین سعادت ہے۔

اکبر۔ بیربل! دیکھو تو لگن کیا ہے؟

بیربل ۔ مہابلی! لگن تو وہ ہے کہ کبھی برسوں ہی کے بعد آتی ہوگی۔

اکبر۔ اچھا تو تم سدھ گنیش اور ابوالفضل بسم کریں۔ آج ہی پاتراب کرجاؤ اور راجہ سے جو گفتگو ہو ہمیں مفصل لکھو۔

مہاراجہ۔ دیوان۔

اودے سنگھ۔ راج کاک۔

دیوان ۔ راجہ بیربل اور ابوالفضل باغ میں داخل ہو گئے۔

مہاراجہ۔ دیوان جی جاؤ اور لے آؤ۔ پر کچھ مطلب بھی تو پاؤ۔

دیوان۔ بہت خوب۔

دیوان۔ مہاراج وہ حاضر ہیں۔

راجہ۔ اچھا (خلوت میں) کچھ نبض بھی دیکھی؟

دیوان۔ وہ تو کب کھلتے ہیں۔ پر دربار کے پرچہ نویس نے کچھ قرابت کا اشارہ کیا تھا۔ شاید وہی ہو۔

مہاراجہ۔ ہری ہری۔ اب تدبیر؟

دیوان۔ مہاراج خود دانا ہیں۔

مہاراج۔ جہاں تک بنے ٹالو نہیں تو (دل میں کہا) سنگ آمد و سخت آمد

دیوان۔ ہاں۔ آخر راجہ بھاڑامل نے کیا کیا (خود اکبر کو بیٹی دے ہی دی)

راجہ۔ اچھا۔ اندر لاؤ۔

دیوان۔ بیربل اور ابوالفضل کو لیکر حاضر ہوا۔

بیربل۔ اشیرباد۔

مہاراجہ۔ نمسکار۔
ابوالفضل۔ اقبال بامراد۔ عمر دراز۔ دولت زیاد۔
مہاراجہ۔ براجئے۔ براجئے۔
راجہ بیربل۔ حضور کے مزاج؟
مہاراجہ۔ سب ایشور کا فضل ہے۔ تم صاحبوں کے مزاج۔
راجہ بیربل اور ابوالفضل۔ سب مہاراج کی کرپا ہے۔
مہاراجہ۔ کہئے ہمارے مہابلی کا مزاج اچھا ہے؟
ابوالفضل۔ مہاراج! سب فضلِ خدا ہے۔ جہاں آپ جیسے نیک نیت باصفا رفیق۔ رنج راحت کے شریک ہوں۔ وہاں خدا کا فضل ہی ہوگا۔
راجہ بیربل۔ مہابلی نے بھی بہت اشیرباد فرمائی ہے اور لکھم کشل۔
ابوالفضل۔ مہابلی نے نہایت اشتیاق کے ساتھ مہاراج کا مزاج پوچھا ہے۔ اور ارکانِ دولت کے ساتھ راج پاٹ کی سلامتی کی دعا فرمائی ہے۔

مہاراجہ۔ سب ایشور کی دیا اور مہابلی کا اقبال ہے۔ ہمارے راج کنور کو مہابلی کے سایہ میں ایشور پروان چڑھائے۔ وہ آج کل کس ملک کے بندوبست میں ہیں۔

راجہ بیربل۔ پورب دیسا میں ہیں۔

دیوان۔ ایشور کی دیا سے جو جو باتیں راجکماروں اور شہزادوں کو چاہئیں سب موجود ہیں۔ ہمت کے بلی۔ ہاتھ کے سخی۔ نیت کے ولی۔

مہاراجہ۔ صورت کیسی موہنی ہے۔ دیکھے سے پیار آتا ہے۔ ہم نے دو دفعہ درشن کئے تھے۔ ایک دفعہ شیر کے شکار میں۔ پھر مہابلی کے سامنے تیر لگاتے دیکھے۔

دیوان۔ مہابلی تو ٹھاکر دوارے میں ہیں۔ راج کنور کی تصویر ہر دم سامنے ہے۔

بیربل۔ مہاراج! دل کا درپن دل ہے۔ انہیں بھی آپ کا ذکر کرتے اکثر سنا ہے۔

ابوالفضل۔ مہابلی کو تو آپ سے بڑی محبت ہے۔ جو بھروسہ آپ کے اخلاص اور محبت پر ہے وہ کسی پر نہیں۔ کیوں راجہ جی؟

بیربل ۔ہاں اُس دن شکار سے پھرتے ہوئے جو آپ کا وکیل سامنے
آگیا تو ہنس کر بولے کہ اِن لوگوں نے بزرگوں کا وطن ہم سے چھڑا دیا
ورنہ ترکستان کے باغوں کا درخت ہندوستان میں کب ہرا ہوا ہے؟

مہاراجہ ۔سب مہابلی کی دیا ہے۔ہم سے کیا خدمت ہو سکتی ہے؟

ابوالفضل ۔مہابلی کو بھی معلوم ہے کہ آپ کو شہزادے سے دلی اُلفت ہے
بلکہ اُن کی تو آرزو یہ ہے کہ تیموری تاج کو اس طرح سجائیں جس سے راج
اور سلطنت کا ایک کاج ہو جائے۔

بیربل ۔ہاں ۔پر ایسی باتیں ۔مہاراج ہی کی خوشی پر چھوڑی ہیں۔
فرماتے تھے کہ اس معاملہ میں اپنی خوشی کو ہم نے ایسا رکھا ہے جیسے
بڑھا چاہے جوان ہو جائے ۔سورج چاہے آسمان ہو جائے۔

مہاراجہ ۔ہرے ہرے ہرے۔

دیوان ۔گنوانو ! بدھیا ند دانو اِتم سوچو پیوند سے پیوند ہوتا ہے۔ترک اور
راجپوت کا پیوند سو کیا؟

ابوالفضل۔ مہاراج راجپوت اور ترک کا کیا ذکر ہے۔ اب تو جودہ سو

آپ۔ مہابلی کا تو ہر وقت یہی کلام ہے ؎

من و تو نیست میانِ من و تو

ابوالفضل۔ راجہ جی (بیربل سے) اب کے تو سہرے کا جشن یاد ہے؟

جس وقت تم مہابلی کو پوجا کر دا کے لائے اور ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا

نرنکار کا پرکاش نظر آتا تھا۔

ابوالفضل۔ (راجہ سے سرگوشی) شہزادوں کے ختنے قطعاً موقوف۔

فرمائیے مسلمانی کہاں گئی؟

بیربل۔ مہاراج! جن لوگوں نے دوئی کو دل سے اٹھا دیا ہے وہ تو

ایک کو مانتے ہیں۔ اور ایک کو پہچانتے ہیں۔ وہی اندھیرے ہیں۔

وہی اُجالے ہیں۔ وہی گورے ہیں۔ وہی کالے ہیں۔ مہابلی کی دیا اور

آپ کی کرپا سے آج دین اور دھرم ایک ترازو میں تُل رہے ہیں۔

ابوالفضل۔ مہاراج! یہ سب لوگوں کی باتیں ہیں۔ نہیں تو وہی رام

وُہی رحمان۔ نام الگ ہیں۔ انجام ایک ہے۔ دو آنکھیں ہیں نظر کا کام ایک ہے۔ خواہ کھڑک کہیں۔ خواہ تلوار کہیں۔ جو ہر وُہی۔ آب وُہی کاٹ وُہی گھاٹ وُہی۔

بیربل۔ مہاراج۔ راجپوت اور ترک کا تو ذکر ہی نہیں۔ اگر ہے تو راج اور تاج کا پیوند ہے۔

دیوان۔ اچھا اگر یہ پیوند اتحاد اور یگانگت بڑھانے کے لئے ہے تو مہابلی ایک نہیں بیسیوں دفعہ دیکھ چکے اور سارا عالم دیکھ چکا کہ مہاراج کو جان مال سے کسی حال میں دریغ نہیں۔ پھر اس بات کی کیا ضرورت۔

ابوالفضل۔ حضور کی یہ خوشی ہے کہ دو مٹھاس جدا جدا ہیں۔ شیر و شکر ہو جائیں۔ شیریں ہیں شیریں تر ہو جائیں۔

دیوان۔ اس اَن میل پیوند سے حاصل کیا؟

ابوالفضل۔ دیوان جی بے حاصل نہ کہو۔ دو درخت جُدا جُدا اُگتے ہیں جُدا پھولتے پھلتے ہیں۔ پر جب دونوں کا پیوند ہوتا ہے۔ تو پھل کے

رنگ روپ بو باس کا اور لذت کا کیا عالم ہو جاتا ہے۔

مہاراجہ۔ دیوانجی! دیکھتے ہو سامنے کون کون ہے۔ ان
میں کون جیتے گا۔ اس معاملہ کو پنڈتوں کے بوستے پر چھوڑو۔

(سرگوشی)

ابوالفضل۔ راجہ جی! معرکہ آپ نے مار لیا ہے۔ پر اس وقت
ابوالفضل۔ مہاراج! ہمارے دھرم مورت راجہ جی کچھ کم
مہاراجہ۔ ہرے ہرے۔ مالا کے دانے دیکھ لو سب برابر
دھرم مورت۔ پر جو کہئے شاستر سے کہئے۔

بیربل۔ مہاراج! آپ کا دھرم شاستر راج مت۔ اس
یہی کہ جو مہابلی کی خوشی۔

ابوالفضل۔ بس راجہ جی۔ آگے کہنے کی کچھ حاجت نہیں شبھ
گھڑی دیکھ کر ٹیکا دیجئے اور مہابلی کو مبارکباد کی عرضی لکھئے۔

(آغا بداق قلیچ بیگ پرگھوتم پنڈت آغا زمانہ)

آغا بداق۔ السلام علیکم۔

قلیچ بیگ۔ وعلیکم السلام۔ فرمائیے کدھر سے؟

آغا بداق۔ دربار سے جشن تھا۔ وہیں دوڑ دوڑ کر ساری رات پامال

کی ہے۔

قلیچ۔ ہاں کچھ حال تو سنائیے۔

آغا بداق۔ خاک! تیموریہ کی تہ کی تمام ہوگئی۔

۔ خیر باشد؟

بداق۔ خدا کی قدرت ہے۔ تیموری دربار چنگیزی جشن۔ بنیوں کی

ہوگئی۔ ایک وہ وقت تھا کہ بادشاہ دوگانہ پڑھ کر تسبیح ہاتھ میں لئے

تھے۔ شیخ الاسلام ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھاتے تھے۔ پہلے فاتحہ پڑھ کر

نذر دیتے تھے۔ پھر کہتے تھے کہ ظل اللہ کو آداب بجا لاؤ۔ غل ہوتا تھا

ں پناہ بادشاہ سلامت۔ آج اسی بادشاہ کو جو تشتی کی ساعت

بموجب پوجا کرواکر برہمن لایا۔ تخت پر بٹھا کر ڈنڈوت کی اور بولا کہ مہابلی

بادشاہ سلامت۔

قلیچ۔ ہیں یہ کیا ہوا۔

آغا بداق۔ ایک بات ہو تو کہوں۔ ادنیٰ تو یہ ہے کہ ڈاڑھی رخصت

مانگنے پر تلک کا سکہ بیٹھا۔

قلیچ۔ لاحولَ وَلاقوۃ۔

آغا بداق۔ ایک بادشاہ؟ حضرت! کتنے ہی چہرے صفا چٹ ہو گئے

پرگھوتم پنڈت سامنے سے آگئے۔

آغا بداق اور قلیچ سرگوشی۔

پس ان لوگوں کی بن آئی ہے۔

آغا بداق۔ بندگی پنڈت جی! بندگی۔ کہئے کہاں سے؟

پنڈت۔ دربار سے۔

قلیچ۔ مبارک ہو صاحب! آج تو بڑی دھوم دھام کی

پنڈت ـ دھن پرمہاتما۔ دھن پرمہاتما۔ وہی دھرم کانٹے کی تول۔
اور شیر بکری ایک گھاٹ ہو گئے۔ مرجاجی! بڑے آنند رہے۔
قلیچ ـ بھلا پنڈت جی کچھ آپ تو کہیئے۔
پنڈت ـ اکبر دولہا۔ سر پر راجپوتی چیرا۔ اس پر کلٹ دھرا۔ ماتھے پر ٹیکا
چہرہ صفا بہ صفا۔ ہاتھ میں کنگنا۔ گلے میں جامہ۔ جب سنگھاسن پر بیٹھا۔
بس نرنکار ہی نرنکار تھا۔ کیوں مرجاجی؟
آغا باقر ـ واہ پنڈت جی! بادشاہی تو نہیں خدائی تھی۔ یہ سب
تمہارا ہی ظہور تھا۔
پنڈت ـ جب کشتیاں لائے اور اشرفی جواہر کے مینہ برسائے۔
امیر امرا کیسے گرے جیسے کبوتر دانے پر پانچ بیچ بیدانے پر انوپ تلاؤ
دیکھا اشرفیوں سے بھرا تھا۔ دم بھر میں اڑ گیا۔
قلیچ ـ واہ وا۔ واہ وا۔ ہمارا بادشاہ عجیب ہفت رنگی بادشاہ ہے۔
فرنگی انجیل لائے تو سر آنکھوں پر۔ آتش پرست آئے تو آتش خانے گرم

پر یہ نیا رنگ ہے۔

پنڈت۔ مہاراج! اب اَور ہی پرکاش ہے۔ گؤ کا آدر ہان۔ جزیہ معاف

اتوار کا ذبح۔ جور و پر نا روا ظلم موقوف۔

(پنڈت جی رخصت) ۔ آغا زمانہ آتے۔

مرزا بداق۔ لو! ڈاڑھی کے شوقین آئے۔ ذرا اسے پانی لگا رکھئے۔

آغا زمانہ۔ تر بتر ہے بات تو کہئے۔

قلیچ۔ بس صفا چٹ۔ آج کا خواب اور تعبیر کیا۔

آغا زمانہ۔ خیر! یہ وہم کچھ نئے تو نہیں۔ محلوں میں ہون ہوتا تھا۔ دھرہ

کو راکھی بندھتی ہی تھی۔ ہاتھ پر باز بیٹھتا ہی تھا۔ اب کھلم کھلا سہی۔

آغا بداق۔ ابوالفضل فیضی بھی کچھ نہیں کرتے۔

آغا زمانہ۔ واہ! اوہ! بڑے گرو ہیں۔ پیروں میں پیر۔ عالموں میں عالم

شاعروں میں شاعر۔ مسخروں میں مسخرے۔ سپاہیوں میں سپاہی۔ آتشکدہ

میں موبد کون تھے؟ ابوالفضل۔ انجیل کے مترجم کون تھے؟ ابوالفضل۔

دینِ الٰہی کے خلیفہ کون ؟ ابوالفضل، دونو آفت ہیں فتنۂ قیامت ہیں۔

بُراق — وہ پچھلی رات اکیلا میدان ذکرِ الٰہی میں صبح کرنا۔ نورِ سحر سے دامن بھرنا۔ حاجی بننا۔ آگرہ سے اجمیر تک پیدل چلنا۔

قُلیچ — صاحب! جس دن حج کو قافلہ رخصت کیا۔ خود احرام باندھ کر تھوڑی دُور ساتھ ہوا۔ اور پکارا کہ لبیک لبیک (میں حاضر ہوں میں حاضر) اس وقت کی تاثیر اللہ اکبر! دلوں سے ایک شور اُٹھا کہ پتھر بھی پانی ہوگئے ہونگے۔

پانچویں جھلک

صبح ہونے والی ہے تاروں سے آسمان خالی ہے گلشن میں پرندے چہچہانے لگے ہیں نسیم کے جھونکے پھول کھلانے لگے ہیں سرِ شام جس کمرہ میں سینکڑوں شمع جل رہی تھیں عاشق کے دل کی طرح پگل رہی تھیں گھل کر فنا ہوگئیں دیکھتے دیکھتے کیا ہوگئیں مہرالنساء چھپرکھٹ سے اُتر کر دار اشتگیر

کے نیچے بیٹھی ہے حیا کے مارے اُس کی گردن نیچی ہے ہے ۵

پھول دو دن بھی تر و تازہ کہاں رہتا ہے
آدمی بیس برس تک بھی جواں رہتا ہے
خوب

واہ رے چنبیلی اور جوہی تیری نزاکت رات کے دس گھنٹہ میں پکس گئی
مگر غنیمت ہے کہ تیری خوشبو سے دلہن کی پوشاک بس گئی۔

علی قلی ۔ بیگم گلوری میرے ہات سے کھا لیجیے اور میں اب باہر جاتا ہوں اپنا گھونگٹ ہٹا کر اپنا مکھڑا دکھا دیجیے پر ہاں شن تم نجی ہوتا۔

مہر النسا ۔ آپ باہر جائیے زیادہ نہ ستائیے اس وقت مجھے نہ گلوری اچھی لگتی ہے نہ بیڑا ۔ مارے تکان کے میری جان اُڑی جاتی ہے پر زیدہ۔

علی قلی ۔ خیر آپ گلوری نہ کھائیے مگر ایک بات پوچھتا ہوں وہ بتائیے اور میرے دل سے وہم ہٹائیے۔

مہر النسا ۔ خدا خیر کرے آپ نے کیا وہم پکایا ہے ۔ آپ کے دل پہ کیا خیال چھپایا ہے۔

علی قلی ۔ تمہاری اور صاحب عالم کی نسبت جو ہوائی اُڑی تھی اُس کی کیا اصلیت ہے اور اِس ہول جول کے ساتھ تمہارے بیاہ کی کیا حقیقت ہے ؟

مہرالنسا ۔ بات یہ ہے کہ صاحب عالم نے مجھے مینا بازار میں دیکھ پایا۔ کبوتر پکڑوانے کے بہانہ سے مجھے پاس بلایا میں الڑانجان حضرت کے دل کی کیا خبر جو بات انہوں نے مجھ سے پوچھی میں نے صاف صاف کہدی ۔ پھر میں پانچ چھ بار اماں جان کے ساتھ محل میں گئی تو صاحب عالم میرے پاس آکر بیٹھ جاتے اور اِدھر اُدھر کی باتیں للکاتے ۔ ملکہ نے صاحب عالم کی نظروں کا حال جہاں پناہ کے کان میں بھر دیا حضور نے سوچ سمجھ کر ابا جان کو تخلیہ میں بلایا اور آپ کے سات بیاہ ٹھہرایا لوگوں نے اتنی سی بات کا بتنگڑ بنایا اور اُسے جھنڈے پر چڑھایا اللہ دانا بینا ہے اگر میں نے صاحب عالم سے کبھی سیدھے منہ بات بھی کی ہو تو زبان میں کیڑے پڑیں اور ایک ایک رونگٹے سے لاکھ لاکھ کیڑے جھڑیں اور جو کوئی

کسی بھلی مانس کی کنواری بالی بیٹی پر تہمت لگا دے اُس کی اولاد کے آگے آئے موئے کے منہ سے مرتے وقت کلمہ نہ نکلے اور لعنتی کے اوپر حضرت عباس کا عَلَم ٹوٹے۔

علی قلی بیگم اللہ جانتا ہے مَیں نے تم سے صرف اس لئے چھان بین کی ہے کہ مجھے اچھی طرح اس معاملہ سے آگاہی ہو جائے اور کوئی دُشمن میرے سامنے زبان نہ ہلائے۔ مَیں خدا کے فضل سے مرد ہوں اور مجھے ہر طرح کا تجربہ ہے مَیں نے آپ کو گوہرِ آبدار اور لولوئے شاہوار پایا۔ علی قلی اپنی تسلی کر کے باہر گیا حمام کر کے لباس پہن رہا تھا جو چوبدار آیا اور اُس نے کہا حضورِ والا آپ کو یاد فرماتے ہیں فوراً چلیئے۔ علی قلی کمر باندھ چوبدار کے ساتھ ہوا قلعہ کے دروازہ میں پہنچا تھا جو دُوسرا چوبدار ملا اور اُس نے کہا حضور والا یاد فرماتے ہیں یہ دربار میں پہنچا تو اس نے دیکھا جہاں پناہ تخت پر رونق افروز ہیں اور تمام ارکانِ سلطنت اپنے اپنے موقع سے حاضر ہیں علی قلی خان قاعدہ کے موافق آداب بجا لایا

شیخ ابوالفضل نے کہا علی قلی آگے آکر ظل اللہ کو سجدہ بجا لاؤ۔ علی قلی
سرنگوں ہو گیا اور جب آداب سے فارغ ہوا تو شیخ ابوالفضل نے کہا
جہاں پناہ نے تمہیں بنگالہ میں جاگیر عطا فرمائی یہ اس کی سند ہے اور
خلعت ہے ایک ہفتہ میں سفر کا بندوبست کر کے تم بنگالہ چلے جاؤ۔
اور خاص بردوان میں تمہیں شاہی باغ اور محل میں رہنے کی اجازت
ہے مگر یہ لحاظ رہے کہ وہاں کے آدمی نہایت سرکش اور متعصب ہیں۔
اور افغانوں کا اثر بھی فی الجملہ وہاں باقی ہے اس لئے اپنی جاگیر کے
کاروبار کے متعلق تم امیر ابوالعلا خان بن نواب ابوالوفا خان صاحب
ناظم بنگالہ سے مشورہ لیتے رہنا کشتی میں خلعت آگیا اور بادشاہ کے
اشارہ سے علی قلی کو خلعت پہنایا گیا علی قلی بار بار آداب بجا لاتا تھا
مگر ولی عہد بہادر جو کرسی پر بیٹھے تھے اس کے ہر سلام پر اپنا منہ بگاڑ لیتے
تھے ایک ہفتہ بات کرنے میں نکل گیا۔ علی قلی نے بردوان کی روانگی
کی ٹھان لی زنانی سپنیس محل کی ڈیوڑھی میں لگی گئی مہر النساء اپنی

یاں سے گلے مل رہی تھی اور دونوں کی آنکھ سے آنسوؤں کا جھرنا جھر رہا تھا
مرزا غیاث بس بس رونا دھونا موقوف کرو اور ہنسی خوشی سوار ہو جاؤ
خدا ہمارے ولی عہد بہادر کو نیک توفیق دے یہ سارے انہیں کے کرشمہ
ہیں جو ہم لوگوں میں تفرقہ پڑا جہاں پناہ نے مجھ سے تخلیہ میں کہدیا ہے
کہ مرزا گھبرانا نہیں ذرا ہمارے شیخو جی کا مزاج اعتدال پر آجائے تو ہم
تمہارے بیٹی داماد کو یہیں اکبرآباد میں بلالیں گے اور اپنی آنکھوں کے
سامنے رکھیں گے ہم نے جو اس وقت انہیں کالے کوسوں بھجوایا ہے
اس میں یہی مصلحت ہے کہ شیخو جو مایوس ہو کر اس خیال کو اپنے دماغ سے
نکال دیں گے اور یہ مشکل ٹھیک ہو جائے گی پانڈہ جی سمجھائیں گے اور
دہی چینی کی کھائیں گے۔

چھٹی جھلک

ابوالفضل کی عرضداشت

بعد آداب اور القاب مقررہ کے۔ فدوی مع راجہ بیربل کے بخیر و عافیت
تمام جودھ پور پہنچا چونکہ بندگانِ عالی کو جغرافیہ کے سات خاص دلچسپی
ہے اس لئے خانہ زاد پہلے اُسی کو عرض کرتا ہے۔ ہم لوگ مارواڑ کے
چٹیل میدان اور بڑے بڑے ریگستان طے کر کے جودپور پہنچے۔ اس
ریاست کا رقبہ ۳۷ ہزار میل مربع ہے اس شہر کو ۱۴۵۹ء میں جودھا راؤ
نے آباد کیا ہے اس کی آبادی ایک ریتیلی پہاڑی سلسلہ کے جنوبی
کنارہ پر واقع ہوئی ہے جو پورب اور پچھم کی طرف چلی گئی ہے شہر پناہ
کا دَور ۶ میل سے کم نہیں ہے جودپور کے سات دروازہ ہیں ریاست
کا قلعہ بہت استوار ہے کیونکہ اُسے پہاڑ میں کندہ کر کے بنایا ہے ویسے تو
چاروں طرف کے پہاڑ کاٹ کر فصیل نکالی ہے مگر شمالی کنارہ خصوصاً بڑی

جانفشانی سے تراش کر درست کیا گیا ہے جہاں قلعہ کی دیوار بالکل عمودی کنارہ پر بنی ہوئی ہے جسے دیکھ کر ارسطو اور افلاطون کی عقل دنگ ہوتی ہے اس کی بلندی ایک سو بیس فٹ ہے۔ جب مُرغِ نظر اپنے آشیانہ سے پرواز کرتا ہے تو اُسے بہت سے مُدوّر ٹیلے اور مربع بُرج پہاڑ کی چوٹی پر دکھائی دیتے ہیں قلعہ میں داخل ہونا بہت دُشوار ہے کیونکہ سات جگہ ایسی حد بندی ہو رہی ہے جس سے گزرنا تو کیسا فقط اُنہیں دیکھ کر ایک بہادر انسان کا دل سینہ میں کانپ اُٹھتا ہے ساتوں مقاموں پر دن رات پہرا رہتا ہے آہن پوش سپاہی اس مستعدی سے خبردار رہتے ہیں کہ ہوا کا آنا جانا بھی مشکل سے ہوتا ہے۔ جب سب بلدار اور پیچ دار رستوں کو طے کر کے قلعہ کے خاص دروازہ پر پہنچتے ہیں تو اس کی اوکار پر مورثِ اعلیٰ کی پندرہ رانیوں کے ہاتوں کی تصویریں پتھر پر کندہ دکھائی دیتی ہیں جو اپنے عالیشان شوہر کے سات جل کر ستی ہوگئی تھیں اور دُنیا کو سبق دے گئی تھیں کہ دُنیا میں سب سے زیادہ ہندوستان کی عورتیں اور

ہندوستان کی سب عورتوں میں راجپوت گھرانے کی استریاں ایسی پتی ورتا
ہوتی ہیں جو اپنی پران اگنی پر جھونک دینے کچھ بات نہیں سمجھتی ہیں
اس پہاڑ کی چوٹی پر پرانے محل قابل دید ہیں ان محلوں کی کھڑکیوں سے
سیر کرنے میں عجیب لطف حاصل ہوتا ہے اور شہر کی آبادی ایک گھونسلا
دکھائی دیتی ہے چونکہ یہ ریگستانی ملک ہے اور درختوں کے جنگل کم ہیں
اس لئے بارش کم ہوتی ہے اور اسی وجہ سے پانی کی قلت رہتی ہے مگر
اس کا تدارک یہاں کے اولوالعزم حاکموں نے حوض اور تالاب بنا کر
کیا ہے پدم ساگر نام ایک تالاب شہر کے شمالی اور مشرقی حصہ میں ایک
چٹان کاٹ کر بنایا ہے ایک رانی ساگر نام حوض ہے گلاب ساگر
ایک حوض قیمتی پتھروں سے لاکھوں روپیہ کی لاگت میں تیار کیا گیا ہے
جس کا پانی باغ بہشت کے آب کوثر کو یاد دلاتا ہے۔ شہر کے جنوب میں
ایک تالاب بائی جی کا ہے ایک پیل پر اکھیراج جی کا تالاؤ مشہور
ہے اور ... بال سمند ایک خوشنما تالاب ہے یہاں کے سمندروں

کی اور اون میں سے خاص سہا مندر کی کیا تعریف لکھی جاوے جب
حضور ملاحظہ فرمائیں گے تو بہت خوش ہوں گے اس مندر کے پوجاری
ناتھ جی کہلاتے ہیں اگرچہ مہاراج دھیراج کو میں نے ہندوستان کے دربار
میں دیکھا ہے اور اُن کا جاہ و حشم بھی میری نظر سے گذرا ہے مگر اُنکے
اصلی مراتب یہاں پہنچ کر معلوم ہوتے ہیں جن کے لکھنے کے لئے بہت سا
وقت درکار ہے اور غلام ضروری خدمت کی بجا آوری میں مشغول ہے
سرحد جودھپور میں داخل ہوتے ہی ہمارے لشکر کی دعوت مہاراجہ کی طرف
سے شروع ہو گئی۔ ادنیٰ اعلیٰ کے لئے ایرانی اور ہندوستانی کھانے
اور ہر قسم کے ولایتی میوے تر و خشک و شیرخوان پر اس کثرت سے
پہنچائے جاتے تھے جن کا ایک ایک لقمہ کھانے سے پیٹ بھر جاتا تھا حیرت
اس بات کی ہے کہ مہاراجہ ہندو مت ہیں مگر مسلمانوں کی [illegible]
سے ایران توران کے مسلمانوں کی غذاؤں سے کیا تعجب بلکہ [illegible]
چیلے کے دیسی اور ولایتی مرغوب نعمتیں مہیا ہوتی تھیں انسانوں کی

خاطر تواضع کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہاتی گھوڑوں اور باربرداری کے
جانوروں کے لئے قسم قسم کے علیدہ کھیر حلوے دوب خوید شربت دود
بھیجے جاتے تھے مہمانوں کے لئے زربفت و مخمل کے بڑے بڑے ڈیرے
خیمہ برپا ہوتے تھے جن کے کلس اور برجیاں دیکھ کر چرخ بریں سر جھکا دیتا تھا
شام کو سارا لشکر چراغ اور قندیلوں کی روشنی سے کوہ طور بن جاتا تھا۔
جب ہم اس طلسماتی سیر و تماشہ کے سات خاص جودھپور میں داخل ہوئے تو
ہمارا استقبال بڑی دھوم دھام سے ہوا جن مکانوں میں ٹھیرائے گئے انکی
تیاری اور آرائش قلم و زبان لکھ نہیں سکتا ہے مہاراجہ کے لشکر فوج خزانہ
جواہر خانہ جب نظر سے گزرے تو قیصر و سکندر کے جاہ و جلال کے افسانہ
ہیچ ہو گئے فدوی نے اور راجہ بیربل نے موقع کے ساتھ تخلیہ میں حضور کا
پیغام بہت ادب کے سات مہاراجہ کے گوش گذار کیا اس کے جواب میں
مہاراجہ نے فرمایا جہاں پناہ کا ارشاد ہم لوگوں کی سر آنکھوں پر مگر اس کا
جواب بغیر سوچے سمجھے نہیں دیا جا سکتا ہے آپ چند روز غریب خانہ پہ

ٹھیر کر آرام لیں پندرہ روز تک مہاراجہ کی طرف سے کوئی صدا نہ اُٹھی۔
مگر غلام بار بار اشارتاً کنایتاً یاد دلاتا رہا۔ سولویں روز بہت قیل و قال
کے بعد مہاراجہ بہادر نے حضور کے فرمودہ کو قبول کر لیا شکر ہے کہ
حضور کی تمنا بر آئی اور صورت مُراد نے آئینہ میں دکھائی شتر سوار چھپا نویسا
کی معرفت یہ عریضہ ارسالِ خدمت فیضدرجت کیا جاتا ہے فدوی کو
اب یہاں صرف اتنا کام اور باقی ہے کہ جب مہاراجہ بہادر کے خاندانی
پنڈت جوتشی اور بادشاہی منجم اور پنڈت برہمن پروہت جو ہمارے ساتھ
آئے ہیں ایک جگہ بیٹھ کر اور حبہ گھڑی سب لگن نیک تاریخیں بیاہ اور
منگنی کے لئے مقرر کر دیں اور پہلے ٹیکہ اور ٹیکہ کی رسم کے بعد لال خط کے
بھیجنے کا صحیح وقت مجھے معلوم ہو جائے تو فدوی یہاں سے روانہ ہو کر
سعادت آستانہ کی حاصل کرے۔ فقط

چنانچہ جب یہ عریضہ حضور کی خدمتِ اقدس میں پہنچا اور اُس کا
مضمون نظرِ انور سے گزرا بادشاہ پھولے نہ سماتے اور اُس کے بعد

میرزا سلیم نورالدین جہانگیر کی شادی مہاراجہ جودھپور کی دختر نیک اختر سے
ہو گئی جس کی دھوم دھام تواریخ میں لکھی ہے اُس کا ایک شمہ یہ ہے
کہ اکبر اعظم برات لیکر بہ نفس نفیس جودھپور گیا تھا اور جب ہودج جس کا
لقب جودھا بائی تھا، سوار ہوئی تھی تو شاہنشاہ جلال الدین اکبر
نے کہاروں کی طرح اُس کے ہاڈول کو کندھا دیا تھا ہمیں اس مقام پر
جودھا بائی کی صرف عظمت اور شان و شوکت دکھانی منظور تھی اس لئے
یہ چند کلمہ لکھ دیئے ورنہ ہماری اصلی غرض اس ڈراما میں نورجہاں کے معاملہ
کو پیش کرنا ہے اچھا اگلا سین دیکھئے۔

ساتویں جھانک

میں عشق کا دیوتا ہوں آنکھوں سے اندھا ہوں گو رستے کالے کی
تجھے تمیز نہیں مجھے یوسف جیسا حسین عزیز نہیں مجھ میں رحم نہیں بہانا تھا
میں میں ڈوا ... نہ کریا اسکے
رحم دل میں نہیں ذرا اسکے

میں مہربانی کو نہیں پہچانتا یوسف کو بھائیوں کے طمانچے کھلواتا ہوں یوسف کو
کنویں میں جھنکواتا ہوں کوڑیوں کے مول بکواتا ہوں زلیخا کی پارسائی کا
دامن چاک کرتا ہوں فرہاد کو شیریں کی تمنا میں ہلاک کرتا ہوں۔ میں
کسی کا یار نہیں میں بھلا وفادار نہیں۔ نواب میر ابوالعلا خاں صاحب
بنگالہ کے ناظم صحیح النسب حسینی سید تھے ان کے دادا امیر عبدالسلام ثمرقند
سے اکبر آباد آئے اور جلال الدین اکبر کی قدردانی کی وجہ سے معزز عہدوں پر
ممتاز ہوئے اور بادشاہ کے ہمرکاب عرصہ تک فتح پور سیکری میں رہے۔
اس کے بعد مکہ معظمہ کو چلے گئے ان کا منصب بادشاہ نے ان کے فرزند
ارجمند امیر ابوالوفا کو دیدیا مگر امیر ابوالوفا صاحب کی عمر نے وفا نہ کی اور
انہوں نے ایک ہونہار بچہ امیر ابوالعلا نام چھوڑا اور امیر ابوالعلا کو
ان کے نانا خواجہ فیضی نے پالا پوسا خواجہ فیضی کو جب راجہ مان سنگھ
اپنے ہمراہ بنگالہ لے گئے تو اپنے نانا جان کے ساتھ امیر ابوالعلا کو
بھی بنگالہ جانا پڑا راجہ مان سنگھ نے جب ان [illegible] امیر ابوالعلا کو

اُن کے نانا کی خدمت میں دیکھا تو اُن کی خوبیاں دیکھ کر دہ دنگ ہو گئے تھوڑی سی عمر میں سب علوم پڑھ کر فارغ ہو گئے تھے ملکی معاملات میں ایسا مشورہ دیتے تھے کہ راجہ مان سنگھ کہتے تھے جو چھوٹے میر صاحب نے کہا ہے ہم تو وہی کریں گے جب جنگ کا وقت آتا تو امیر ابوالعلا خان راجہ مان سنگھ اور اُن کے سپہ سالار فوج سے دو قدم آگے ہوتے اور ایسی بہادری دکھاتے کہ راجہ مان سنگھ فرماتے ابوالعلا ہندوستان میں ارجن اور بھیم بن کر پیدا ہوا ہے ایک دن مہاراجہ مان سنگھ نے انہیں ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہنے اور نیلا تہ بند باندھے دیکھ لیا ہنس کر کہا میراں جی تم نے جو بھیس لیا ہے کہ حاجی پور والے داؤد شاہ سے مقابلہ ہونے والا ہے اس لئے بھیس بدل کر بھاگنے کے ارادہ میں ہو گے امیر ابوالعلا خان نے مہاراجہ مان سنگھ کو اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ نواب امیر ابوالعلا خان سچ مچ لشکر سے غائب ہیں اور میر صاحب نے یہ غضب کیا کہ تن تنہا دریائے گنگا کو عبور

کرکے عظیم آباد پٹنہ سے کچھ آگے جاکر داؤد شاہ خونخوار سے جا بھڑے
اور مینا پور کے مقام پر اُسے خاک و خون میں ملا اور اُس کا سر لیکر واپس
آ گئے مہاراجہ مان سنگھ نے کہا سا کھا اسی کا نام ہے میراں جی تم نے
داؤد شاہ کو کیا مارا گویا شاہنشاہ اکبر اور میرے دل سے کانٹا نکال دیا
قضا و قدر کے معاملہ کو دیکھئے خواجہ فیضی امیر ابو العلا صاحب کے نانا
بنگالہ کے ایک معرکہ میں کام آئے اور بعض ضرورتوں کی وجہ سے اکبر
نے راجہ مان سنگھ کو حضوری میں طلب کیا مہاراجہ مان سنگھ نے اکبر کو
عرضی میں لکھا دار الخلافہ سے کسی ناظم یا صوبہ دار کو بنگالہ بھیجنے کی ضرورت
نہیں ہے فدوی کے نزدیک بنگالہ کی حکومت کے لئے امیر ابو العلا خان
کافی ہے مجھے ہر طور اس پر بھروسہ ہے کیونکہ مشورہ اور تدبیر کے وقت
یہ نوجوان ارسطو اور بلیناس ہے اور عرصۂ کارزار میں رستم و سہراب۔
حضور کی اجازت ہو تو یہ ملک اُسے سپرد کرکے حاضر حضور ہوں جواب
آیا کہ جب تمہیں بھروسہ ہے اُس پر ہمیں بھروسہ ہے ہم نے امیر ابو العلا کو

اُس کے نانا صاحب کے ساتھ پہلے دیکھا تھا تو کہدیا تھا ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات میں اسے بھی خالقِ یکتا کی اپنے اوپر مہربانی سمجھتا ہوں کہ میری قلمرو میں ایسے ایسے ہونہار اور گوہر آبدار پیدا کرتا ہے۔ آپ اُسے بردوان میں بٹھا کر اور بابدولت و اقبال کے مرحمت شہریاری کا اُمیدوار بنا کر جلد سعادتِ قدمبوسی حاصل کیجیے کہ ہمیں آپ کی دوری بہت پریشان رکھتی ہے چنانچہ راجہ مان سنگھ امیر ابوالعلا کو نظامت کا خلعت شاہنشاہ کی طرف سے پہنا کر اکبرآباد چلے آئے اور امیر ابوالعلا خان بردوان میں بیٹھے سلطنت کا مزا لے رہے تھے جو علی قلی بیگ سند جاگیر لیکر مع مہرالنساء کے بردوان پہنچے امیر ابوالعلا خان ایک لائق فائق انسان اور قدردان شخص تھے انہوں نے علی قلی کو ہاتھوں ہاتھ لیا چند ہی روز میں ابوالعلا خان کی اور اُن کی واثقت کافی رونق ہو گئی جب ذرا دیر ہو جاتی تو امیر ابوالعلا خان صاحب کا چوبدار پہنچتا۔ کہ چلیے ناظم صاحب آپ کو یاد فرما رہے ہیں ۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

خدا مہربان توکل مہربان شہنشاہِ اکبر کا یہ کرم مال و دولت کی یہ ریل پیل ہوئی ایسی ملی کہ چندے آفتاب چندے ماہتاب جنت کی حوریں جس پہ قربان ہو جائیں کوہ قاف کی پریاں اُس کی ایڑی دیکھ کر اپنے مُنہ چھپائیں دن رات عیش و آرام تھا ہنسی خوشی سے کام تھا جو خدا نے غنچۂ مراد دکھلایا مہرالنساء نے اپنی گود کو بھرا بھرا پایا ہوئی تو لڑکی مگر حسن و جمال میں آفتاب تھی اور قدر و قیمت میں گوہرِ نایاب تھی اِدھر ماں اُسے انگلیوں پہ نچاتی اُدھر علی قلی اُسے دیکھ کر شاد ہوتا اس ہنسی خوشی میں علی قلی کو ہندوستان میں رہتے سات برس ہو لیتے بادشاہی ڈاک میں دلی اکبر آباد سے عزیزوں کے خط آتے رہتے اور اُن سے قسم قسم کے حالات معلوم ہوتے کسی میں لکھا آتا میرزا سلیم کی دو بیویاں دُہری شادیاں ہو گئیں کسی میں لکھا آتا میرزا سلیم کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے اُس کا نام

شہنشاہ نے ضرور رکھا ہے کسی میں لکھا آتا میرزا سلیم کے کاشانہ میں
ایک اور لڑکا پیدا ہوا ہے اُس کا نام حضور نے میرزا خورم تجویز فرمایا
ہے اور کہیں خوشی کے عالم میں حضور اُسے شاہجہاں بھی زبان مبارک
سے فرماتے ہیں مگر ایک دن کی ڈاک نے ایسی خبر وحشت ناک سُنائی
جس نے آنکھوں میں خون کی ڈاک بٹھائی لکھا تھا کہ شاہنشاہ عالی پناہ
جلال الدین اکبر نے بدھ کے دن ۱۲ جماد الآخر ۱۰۱۴ھ ہجری کو یہ
دُنیائے دُنی چھوڑ کر عالم قدس کی طرف رحلت فرمائی اور تخت سلطنت
نے نورالدین جہانگیر کے دم قدم سے رونق پائی۔ تمام ہر دوان میں
ہل چل مچ گئی۔ علی قلی اور امیر ابوالعلا خان آنکھوں سے آنسو پونچھتے
جاتے تھے اور باتیں کرتے جاتے تھے۔

امیر ابوالعلا خان۔ بھائی علی قلی ہم تو گھر سے لڑ رہے تھے ورنہ ہمارا
دل تو برسوں ہوئے نوکری سے اُچاٹ ہو چکا ہے راجہ مان سنگھ جی کی
گھیرا چیپی اور جلال الدین اکبر کی قدردانی سے ہیں دنوں کو دھکّہ دے

رہا تھا جب وہ قدردان ہی خاک میں جا سویا تو ہم کس کے ہو کر رہینگے
افسوس افسوس ایسا لایق فایق بادشاہ اب سینکڑوں برس میں بھی
پیدا نہ ہوگا۔

علی قلی آپ کا فرمانا بالکل درست ہے خدا اُس کی روح کو جنت الفردوس
عطا فرمائے ایسا رعیت پرور کرم گستر عادل باذل شیر دل امیر تیمور کے
بعد سچ پوچھیئے تو ترکوں کے گھرانہ میں یہی پیدا ہوا تھا اور یہیں تو
عروج اُسی کے دم قدم سے ہوا ہے خیر اللہ کی مرضی ؎

تو ہی اپنے ہات سے جب بوستاں جاتا رہا
دل کی بھی پروا نہیں جب جاتا رہا جاتا رہا

دیکھیئے نئے شاہنشاہ کس طرح پیش آتے ہیں اور ہم بیکسوں پردیسیوں پر
کیا کرم فرماتے ہیں میرے سات جو انہیں ایک قسم کی لاگ ہے اسکی
خبر آپ کو ضرور ہوگی۔

امیر ابوالعلا خان میں خوب جانتا ہوں مجھے ذرا ذرا حال معلوم ہے

علی قلی ۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔

امیر ابو العلا خان ۔ کرنا کیا چاہیئے مجھے اور آپ کو اکبر آباد چلنا چاہیئے تعزیت اور تہنیت دونوں ادا کرنی ہونگی۔ علی قلی نے محل میں آکر مہر النسا سے کہا اکبر آباد چلنے کی تیاری کرو اس بات کو سن کر اس کا چہرہ فق ہو گیا مگر بیچر مجبوری سے کام نہیں چلا کرتا امیر ابو العلا خان اور علی قلی اپنے اپنے اہل وعیال کو ہمراہ لیکر اکبر آباد جا پہنچے برسوں کے بچھڑے ہوئے اپنے پیاروں سے مل کر خوش ہوں گے میرزا غیاث اور اس کی بیوی نواسی کو دیکھ کر ایسے خوش ہوئے کہ پھولے نہ سمائے ۔ جب امیر ابو العلا خان اور علی قلی جہانگیر کے دربار میں پہنچے تو انہیں معلوم ہوا گویا خدائی پلٹ گئی ہے ۔ نئے نئے رنگ نظر آتے ہیں نئے نئے ڈھنگ تھے۔

آٹھویں جھلک

گرمی کی رات ہے اکبر آباد کے لال قلعہ میں دیوانِ خاص کی چھت گلاب کیوڑہ کے چھڑکاؤ سے ٹھنڈی ہو رہی ہے نورالدین جہانگیر شاہنشاہ ہلکا پھلکا لباس پہنے تختِ زرنگار پر رونق افروز ہیں تخت سے دہنے بائیں امیر کبیر منصب دار عہدہ دار سر جھکائے حاضر ہیں فرش کے اوپر مردنگیاں اور جھاڑ رکھے ہیں اُن میں سینکڑوں شمع بڑی جل رہی ہیں اور اُن کی روشنی سے رات کا دن بن رہا ہے سامنے دریائے جمنا کا پانی چمک رہا ہے اور اُدھر سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جو آتے ہیں وہ رُوح کو تازگی بخشتے چلے جاتے ہیں تخت کے سامنے بڑی ساری میز پر مے نوشی کا سامان چُنا ہوا ہے جب شاہنشاہ فرماتے ہیں ؎

ساقی بنورِ بادہ برافروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما

ایک ماہرو غلام بلور کے پیالہ میں تھوڑی سی انڈیل کر شاہنشاہ کے سامنے پیش کرتا ہے اور جہاں پناہ اُسے نوش فرما کر اشارہ کرتے ہیں تو دوسرا غلام رنگترہ کی ایک پھانک چھیل کر اور زمرد کی طشتری میں لگا کر سامنے لاتا ہے شاہنشاہ اُسے سونے کے چمچہ میں لیکر کھا لیتے ہیں بادشاہ نے اُس غلام کی طرف دیکھا جو رنگترے چھیل رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ طشتری میں راحتِ جان پیش کرے حضور نے فرمایا رنگترہ چھیلو نہیں ایک رنگترہ سالم کا سالم ہمارے روبرو لاؤ غلام رنگترہ لے آیا۔

شاہنشاہ جہانگیر۔ دیکھو یہاں سے دو سو قدم دور جو دیوار نظر آتی ہے یہ زنانہ محل کی ہے اس کے نیچے چھت پر کرسی رکھوا اور کرسی پر یہ رنگترہ رکھو اور دیوار میں جو طاق ہے اُس میں ایک غدغہ روشن کرکے دھر آؤ تاکہ رنگترہ پر خوب روشنی پڑے غلام نے فوراً حکم کی تعمیل کی قورچی باش نے حضور کا منشا معلوم کرکے حضور کے سامنے ایک ترکش تیروں کا اور ایک کمان رکھ دی حضور نے رنگترہ کو ہدف بنا کر ایک تیر مارا۔ مگر تیر

زنگترہ میں نہ لگا حضور والا نے کمان ہات سے رکھ کر حاضرین کی طرف دیکھا جس کا یہ منشا تھا کہ اب تم لوگ تیر لگاؤ اِتنا اشارہ پاتے ہی سب امیروں نے اپنی اپنی کمانیں اور ترکش سنبھالے اور زنگترہ پر تیر پڑنے لگے مگر وہ ایسا بے جیا تھا کہ ایک تیر اُس میں جا کر نہ لگا۔

شاہنشاہ۔ نواب ابوالعلاخان تم ایسے الگ تھلگ کیوں کھڑے ہو۔

امیر ابوالعلاخان۔ حضور بھلا فدوی بندگانِ عالی کے قدموں سے کب الگ ہوسکتا ہے یہ حضرات تیر لگارہے تھے میں تماشا دیکھ رہا تھا یہ کہکر امیر ابوالعلاخان نے اپنی کمان کندھے سے اُتار تیر رکھ کر جو نشانہ باندھا تو زنگترہ اُڑ گیا۔

شاہنشاہ۔ واہ واہ بہت اچھا نشانہ لگایا امیر ابوالعلاخان نے کئی بار سلام کیا حضور والا کے منہ سے واہ واہ نکلتے ہی واہ واہ کا غُل مچ گیا۔

شاہنشاہ۔ ما شاء اللہ اس وقت ابوالعلاخان تم نے ہمارا دل بہت خوش کیا

تو کیا یاد کرو گے اس وقت تمہیں انعام بھی خاص ہی دیا جاتا ہے۔ یہ کہکر جہانگیر نے شراب کا بھرا ہوا پیالہ ابوالعلا خان صاحب کو عنایت فرمایا اور ارشاد کیا ؎

بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند

نواب ابوالعلا خان نے جلدی سے کورنش ادا کی اور شراب کا جام سرشار حضور کے ہاتھ سے لے لیا جب بادشاہ نے ساقی کی طرف توجہ فرمائی تو اُنھوں نے جھٹ پٹ اُس پیالہ کو اپنی قبا کے گریبان میں اُلٹ پیالہ میز پر رکھ دیا حضور والا نے غلام کو پھر اشارہ کیا اُس نے دوسرا رنگترہ کرسی پر جا کر رکھ دیا اور پہلے جہانگیر نے خود اور اُس کے بعد اور درباریوں نے تیر لگائے مگر سب کے تیر خطا گئے اب پھر باری نواب ابوالعلا خان کی آئی اور انہوں نے اب کے بھی تیر سے رنگترہ اُڑا دیا شاہنشاہ پھر خوش ہوئے اور انعام میں ایک جام بادہ مرد افگن کا عنایت ہوا پھر کورنش و مجرا بجا لائے اور جہانگیر کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور اس بات کے منتظر رہے کہ بادشاہ

کی نگاہ بچا کر شراب کو پھینکنے میں جہانگیر بھی امیر ابوالعلا خان کے دل کی بات کو پا گئے اور جان کر انہوں نے گردن جھکا لی مگر کنکھیوں سے دیکھتے رہے امیر ابوالعلا خان نے موقع پاتے ہی جھوٹ موٹ پیالہ کو منہ تک لیجا کر گریبان میں الٹ لیا اور ناپاک شراب اوپر کے لباس کو گندہ کرتی ہوئی شلوار تک پہنچ گئی جہانگیر نے حکم دیا رنگترہ پھر کرسی پہ رکھو اور غلام نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

شاہنشاہ۔ ہم جانتے ہیں ابوالعلا خان تم نے بنگالہ میں بیٹھے بیٹھے صرف تیر اندازی کی ہی مشق کی ہے تمہارا کوئی تیر خطا نہیں کرتا حالانکہ دو سو قدم کا پلہ ہے رات کا موقع ہے مگر ماشاء اللہ تم ہدف مار دیتے ہو۔

امیر ابوالعلا خان۔ حضور کا اقبال۔

شاہنشاہ۔ اچھا اس رنگترہ کو بھی اڑاؤ۔

امیر ابوالعلا خان۔ بہت خوب۔ یہ کہکر امیر ابوالعلا خان نے تیر مارا تو ٹھیک رنگترہ پر لگا۔ حضور والا نے بہت تعریف کی اور تیسرا پیالہ

اپنے ہاتھ سے لبریز کر کے انہیں عنایت فرمایا امیر ابوالعلا خان پہلی اور دوسری دفعہ کی طرح اب کے بھی شراب پھینکنی چاہتے تھے جو جہانگیر نے جھلا کر کہا بس بس ابوالعلا تو بڑا بے ادب ہے کہ ہمارے عطیہ خاص کو ضائع کرتا ہے ہم نے دیکھ لیا ہے کہ تو نے دو بار اس جوہرِ خوش رنگ خوش مزہ کو برباد کیا ہے اور اب تیسری دفعہ بھی اسے خاک میں ملانا چاہتا ہے تو غضبِ سلطانی سے ڈرتا نہیں ہے۔

امیر ابوالعلا خان ۔ آپ غضبِ رحمانی سے نہیں ڈرتے ہیں جو ہر بار اس ناپاک کو پیتے ہیں اور اپنے ساتھ اوروں کی عاقبت بھی خراب کرنی چاہتے ہیں۔ رباعی۔

یہ فقر کی دولت ہے نبیؐ کی میراث
یہ علم و شجاعت ہے علیؑ کی میراث
خود گنجِ کرامات ہیں سید ہیں فراقؔ
لیتے نہیں ہم اور کسی کی میراث

میرا استعفا زبانی قبول فرمایئے اللہ اکبر مغل اعظم شاہنشاہ نورالدین جہانگیر
کے سامنے نوکر اس طرح دوبدو کرے اور وہ زندہ رہے نشہ میں تو پہلے ہی
حضور والا چور ہو رہے تھے اُس پر آیا غصہ پھر کیا ٹھکانہ سامنے تلوار رکھی
ہوئی تھی فوراً غلاف سے نکال لی اور چاہا کہ امیر ابوالعلا خان کے
دو ٹکڑے کر دیں مگر نواب ابوالعلا خان تلوار کو دیکھ کر ذرا نہ گھبرائے مگر
کسی قدر اپنی قبا کی آستینوں کو انہوں نے جنبش دی اور بادشاہ نے
اور سب حاضرین نے دیکھا کہ دو شیر غرّاں آستینوں میں سے نکلے اور
جہانگیر کی طرف لپکے جہانگیر تخت کے نیچے گھس گیا محفل درہم برہم ہوئی سبحان اللہ
ہوا کے ایک جھونکے نے ساری روشنی کو گل کر دیا حاضرین محفل پیکر تصویر
بن کر رہ گئے کچھ دیر کے بعد سب کے حواس ٹھیک ہوئے تو معلوم ہوا
کہ امیر ابوالعلا خان اپنے مکان کو چلے گئے ہیں بادشاہ بیہوش تھے
اُنہیں تخت کے نیچے سے نکالا اور محلسرا میں پہنچایا بادشاہ سلامت
رات بھر بیہوش رہے صبح کو جب طبیعت درست ہوئی اور باہر تشریف

لائے تو معلوم ہوا امیر ابوالعلا خان نے اپنا گھر راہ خدا میں لٹا دیا اور سر منڈوا کر ایک گزی کا نیلا تہ بند باندھ لیا ہے اور دھوتر کا کرتہ پہن لیا ہے اور فرما رہے ہیں جہاں دنیا اور دنیا والوں سے کچھ سروکار نہیں ہے بادشاہ سلامت اس قصہ کو سنکر بالکل چپ ہو گئے کیونکہ رات کا سارا قصہ اور ہیبت ناک شیروں کا حملہ آنکھوں کے سامنے تھا بقول شخصے زلزلہ بر ضعیف می ریزد۔ اس سید پر تو کچھ بس نہ چلا سامنے بیچارہ علی قلی آ گیا اُسے دیکھتے ہی حضور کی آنکھوں میں خون اتر آیا حکم دیا ایک مست ہاتی حاضر کرو اُسی وقت ہاتی لایا گیا۔

بادشاہ سلامت۔ علی قلی ہم نے سنا ہے تم مست ہاتی سے بردوان میں کئی بار کشتی لڑے ہو اور اُسے تم نے زیر کیا ہے اچھا اس وقت ہمیں بھی اپنا جوہر دکھاؤ علی قلی خان اگر یہ کہتا کہ یہ بات بالکل غلط ہے تو خدا جانے اس گستاخی کے بدلے کیا سزا تجویز ہوتی اس لئے وہ بدنصیب اپنی جان پر کھیل گیا اور اس نے کہا حضور کا فرمانا بالکل بجا ہے غلام

نے حضور کے نمک کے زور سے کئی بار ہاتی کو پچھاڑ پچھاڑ دیا ہے اگر
حضور کی یہی خوشی ہے کہ غلام اس ہاتی سے دست و گریبان ہو جائے
تو اجازت عطا ہو تمام دربار نے اس بات کو سُنکر اپنے سر نیچے کر لئے
کیونکہ جیسا لغو سوال بادشاہ سلامت نے دیا تھا ویسا ہی جواب پایا تھا
مگر جہان پناہ نے اس کی اصلا پروا نہ کی اور فرمایا اجازت ہے
علی قلی مست ہاتی کے سامنے جا کھڑا ہوا وہ مستی میں اندھا ہو رہا تھا
اُس نے ایک دم سے علی قلی پر مہرہ کیا مگر یہ بڑا اچپیتا و چھرنبلا نوجوان تھا
اُس کی ٹانگوں میں سے نکل پیچھے جا کھڑا ہوا سارا دربار حیران تھا کہ
چڑیا سا آدمی دیو سے لڑ رہا ہے اسی طرح مست ہاتی نے پچاس بار
علی قلی پر مہرا کیا مگر علی قلی کی موت نہ تھی بچ بچ گیا بار بار مہرے کرنے
سے ہاتی کے دانتوں کو صدمہ پہنچا اور وہ دُم دبا کر بھاگا اور علی قلی نے
بادشاہ سلامت کے تخت کے آگے آکر سلام کیا بادشاہ نے بہت کچھ
آفرین کی دربار برخاست ہوا تو یہ گھر پہنچا دیکھا کہ ساس اور بیوی

محل کی ڈھیوڑی ہیں کھڑی دھاروں رو رہی ہیں کیونکہ یہاں یہ خبر آئی تھی کہ بادشاہ نے علی قلی کو مست ہاتی سے کچلوا دیا ساس نے آگے بڑھ کر بلائیں لیں اور بہت سا صدقہ اُتارا۔

میرزا غیاث کی بیوی۔ اچھی بادشاہ کو یہ کیا سوجھی تھی۔

علی قلی۔ حضرت سوجھی کیا تھی وُہی پرانا غبار اُن کے دل میں بیٹھا ہوا ہے میں جب دربار میں جاتا ہوں جلی کٹی کی لیتے ہیں ٹک بجے تو پھر کیا کسی نہ کسی دن وہ میری جان پہ بنا دیں گے۔

میرزا غیاث کی بیوی۔ نہیں میاں دور پار تمہارا کدھر خیال ہے اچھا امیر ابوالعلا خان نے کیا کیا تھا جو اُس کے سر ہو گئے یہ کہو۔ وہ کل مونہی گندی چیز اُن کے مُنہ کو اچھی لگی ہے جس نے انہیں دین دنیا سے کھو دیا ہے اولاد کلیجہ کی کور کہلاتی ہے اُس نے خسرو کا ذرا خیال نہ کیا اور اُسے لاہور میں در بدر پھرایا بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان نوج ایسی سلطنت کو خدا کھوئے جس کے پیچھے باپ اولاد کی جان کا لاگو

ہو جائے الغرض گھر گھر یہی چرچا تھا کہ سید ابو العلا صاحب کو بادشاہ نے ناخوش کیا بہت بیجا کیا وہ ایک فقیر منش آدمی ہیں اگر آیندہ اُن سے گستاخی کی لی تو اپنے کیئے کی سزا پائیں گے بزرگوں کی بد دُعا بُری ہوتی ہے بادشاہ کا دماغ افیون اور شراب نے خراب کر دیا ہے شہر میں تو اسی قسم کی باتیں ہو رہی تھیں جو قرادل ایک زبردست جنگلی شیر کو پنجرہ میں بند کر کے بادشاہ کے حضور میں لائے پنجرہ میں پہیہ لگے ہوئے تھے جہاں چاہتے تھے گھسیٹ کر لے جاتے تھے شیر تین دن سے بھوکا پیاسا تھا اور نہایت غضب ناک ہو رہا تھا۔

بادشاہ سلامت۔ علی قلی ہم نے سُنا ہے تم نے بنگالہ میں سینکڑوں شیر بغیر ہتھیار کے جان سے مارے ہیں اور اس بات کی تصدیق اُس دن تمہاری ہاتھی کی کُشتی سے بھی ہوگئی ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم تمہاری اس بہادری کو بھی دیکھ کر خوش ہوں۔

علی قلی۔ حضور کا ارشاد بالکل درست ہے فدوی ایک شیر کیا دس

شیروں سے بغیر برچھی بھالے کے لڑ سکتا ہے حضور کا اقبال درکار ہے اسے پنجرہ میں سے نکلوایا جائے۔

فراق دہلوی ۔ جو لوگ اکبرآباد اور وہاں کی عمارتیں دیکھ آئے ہیں۔ اُنہیں معلوم ہے اور انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ اکبر آباد کے قلعہ میں جمنا کی طرف جو شاہی ایوان کی چھت ہے جس پر سنگ موسیٰ کا تخت بچھا ہوا ہے اور اُس کے چاروں طرف نورالدین جہانگیر کی تعریف میں اشعار کندہ ہیں اسی تخت کے نیچے خندق میں سنگ سُرخ کا بہت گہرا ایک کنواں بنا ہوا ہے اور اُس کنوئیں میں لوہے کا ایک پھاٹک لگا ہوا ہے جب بادشاہ سلامت شیروں یا چیتوں کی لڑائی دیکھتے تھے تو اس کنوئیں میں شیر یا چیتے پھاٹک کے ذریعہ سے پہنچا دیئے جاتے تھے اور پھاٹک بند کر دیا جاتا تھا اس کا نام کشتی خانہ ہے یہ کشتی خانہ اتنا عمیق بنا ہوا ہے کہ اس میں سے شیر جست کر کے اوپر نہیں آسکتا ہے اس لئے جلال الدین اکبر اور جہانگیر قلعہ معلیٰ میں تخت پر بیٹھے بیٹھے شیروں

بیٹی خیر النساء بیگم اپنی جاگیر پر رہتی تھیں جب حضور والا سمندر کی سیر سے احمد آباد پہنچے تو خیر النساء بیگم صدقہ کے لئے کئی خوان اشرفیوں اور روپوں کے لیکر محل میں حاضر ہوئیں خواجہ سرا نے حضور کو اطلاع کی تو حضور والا محل میں تشریف لائے خیر النساء نے آگے بڑھ کر آداب کیا اور دونوں ہات بلائیں لینے کے لئے بادشاہ کی طرف بڑھائے جہانگیر نے اپنا سر اُنکے آگے جھکا دیا جب وہ بلائیں لے چکیں تو بادشاہ مسند پر بیٹھ گئے اور خیر النساء سے کہا آپ بھی میرے برابر بیٹھیں۔

خیر النساء۔ حضور جو قرینہ لونڈی کے باپ دادا کا ہے اُسے کیونکر چھوڑ سکتی ہے لونڈی کا حضور کے آگے دست بستہ کھڑا ہونا کیا کم عزت ہے۔

بادشاہ سلامت۔ توبہ توبہ آپ کیا فرماتی ہیں جب بیرم خان خانخاناں شہید کو حضرت عرش آشیانی خان بابا کہتے تھے تو آپ کے والد بزرگوار میرزا عبدالرحیم خان میرے بھائی ہوئے اور آپ اُن کی صاحبزادی ہیں تو میری بھتیجی ہوئیں مگر عمر میں آپ مجھ سے کہیں بڑی ہیں اس لئے مجھے

آپ کا ادب ضروری ہے۔

خیر النساء۔ حضور کی عزت افزائی ورنہ ایاز قدر خود بشناس آقا دو برس
کا اور غلام سو برس کا جہاں پناہ یہ تو فرمائیں کہ احمد آباد میں سلامتی سے
قیام کب تک رہے گا۔

بادشاہ سلامت۔ ابھی تو میں یہاں بہت دن رہونگا دوحدہ پر جا کر ہاتھیوں
کا شکار کرنا ہے آپ فرمائیے۔

خیر النساء۔ باواجان نے جب احمد آباد سے تین کوس باہر دریائے سابرمتی
پر سرخیز کے پاس مظفر کو شکست دی تو خاص اُس مقام پر جہاں گھمسان کا
رن پڑا تھا ایک باغ بنایا اور اُس کا نام فتح باغ رکھا وہ باغ حضور والا
کی دعا سے اب تک سرسبز ہے لونڈی کی تمنا ہے کہ حضور والا اُس باغ
میں قدم رنجہ فرما کر اُسے غیرت فردوس بنائیں اور اُس کی بارہ دری میں
بیٹھ کر لونڈی کے گھر کا دال دلیہ نوش فرما کر ہم چشموں میں عزت بخشیں۔

بادشاہ سلامت (ہنس کر) نیکی اور پوچھ پوچھ کیوں تو روز ہی خاصہ پہ

قسم قسم کے کھانے ہوتے ہیں مگر آپکے ترکمانی کھانے کھا کر جی زیادہ خوش ہوگا

خیرالنساء۔ لونڈی کس قابل ہے یہ سب آقا کی نوازش ہے۔

بادشاہ سلامت۔ تو بس ہم اور دو ایک مصاحب آجائیں گے۔

خیرالنساء۔ نہیں حضور بلکہ حضور کے سارے لشکر کی ادنےٰ اعلےٰ سے لیکر حیوانوں کی بھی دعوت ہے ہاتی گھوڑے بھی لونڈی کے گھر کا راتب کھائینگے

اس بات کو سنکر جہانگیر نے کچھ جواب نہ دیا اور وہ دیر تک سوچتے رہے آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا خیرالنساء رو رہی ہیں۔

بادشاہ سلامت۔ ہیں ہیں آپ روتی کیوں ہیں ہیں تو اس خیال میں تھا کہ اس قدر تکلیف کرنے کی ضرورت کیا ہے اگر آپ کی خوشی یہی ہے تو مجھے منظور ہے۔

خیرالنساء۔ آداب بجالاتی ہوں خداوند نعمت اول تو ہمارے پاس ہے کیا اور جو کچھ ہے وہ آپ کا اور آپ کے بزرگوں کا دیا ہوا ہے۔ البتہ اس قدر روئی سے لونڈی اور لونڈی کے خاندان کی عزت از سرِنو

تازہ ہو جائے گی اچھا تو پرسوں حضور فتح باغ میں تشریف فرما ہوں اور
ایک ہفتہ تک مع بیگمات اور لاؤ لشکر کے وہاں ٹھیریں۔
بادشاہ سلامت ۔ میں نے تو کہدیا کہ جو آپ کی خوشی مگر اس میں
کسی قدر آپ کو زحمت ضرور پہنچے گی ۔
خیر النسا ۔ حضور کا ہات لونڈی کے سر پر ہے تو لونڈی کو رتی بھر
تکلیف نہیں پہنچے گی ۔ یہ کہکر خیر النسا رخصت ہوئی اور جہاں پناہ باہر
تشریف لائے تو دیکھا قلیچ خان صوبہ دار گجرات بایزید خان دیوان
مرتضیٰ خان جہانگیر قلی خان اعظم کا بیٹا اور عبداللہ خان فیروز جنگ
اور خواجہ نواب قطب الدین کوکہ فتح پوری حاضر ہیں ۔
بادشاہ سلامت ۔ بھائی قطب الدین خان آپ نے سُنا خانخاناں
کی بیٹی خیر النسا محل میں آئی تھی اور ہماری مع لشکر اور لشکر کے
ہاتی گھوڑوں تک کی دعوت کر گئی ہے اور دعوت بھی ایک ہفتہ کی ۔
کس طبیعت اور حوصلہ کی عورت ہے ۔

نواب قطب الدین خان ۔ حضور والا آخر ہے کس دادا کی پوتی اور کس باپ کی بیٹی ۔

خان فیروز جنگ ۔ کوکہ صاحب نے جو کچھ فرمایا وہ بجا ہے مگر حضور چاند میں ساری روشنی آفتاب کی بخشی ہوئی ہوتی ہے ۔ دن میں اُسے دیکھئے تو آسمان پر ایک ٹھیکرہ دکھائی دیتا ہے ۔ اُس کے پاس جو کچھ ہے وہ حضور کے قدموں کا صدقہ ہے ۔

قلیچ خان ۔ اس میں شک کیا ہے مگر فی الواقع وہ بڑی مدبّرہ ہے جاگیر کا اُس نے وہ بند وبست کیا ہے کہ کیا بھلا مرد کر سکے گا حضور والا دیکھیں گے وہ دعوت میں کیا سلیقہ دکھائے گی بادشاہ سلامت جو تیسرے دن فتح باغ پہنچے تو دیکھا دو کوس کے دَور میں سورت اور احمد آباد کی کم خواب اور زربفت اور مخمل کے زرنگار خیمہ مہمانوں کیلئے برپا ہیں اور ہر مہمان کا نام جدا جدا خیموں پر اتنے بڑے بڑے حرفوں میں لکھا ہوا ہے کہ پچاس قدم سے اندھا بھی پڑھ لے کسی سے پوچھنے

کی حاجت نہیں اپنا نام پڑھے اور خیمہ میں تشریف لے جائے ہر خیمہ میں چھپر کھٹ آن پر پچھونے تکیہ غسل خانہ کا خیمہ الگ صحت خانہ کا خیمہ الگ روشنی خانہ کا خیمہ الگ ہر شئے کا اِنتظام ہے۔

بادشاہ سلامت ۔ بھائی قطب الدین خان سالے کہ نکوست از بہارش پیداست جب باغ کے باہر اس عورت نے یہ اِنتظام کیا ہے تو خدا جانے باغ کے اندر کیا کچھ کارستانی کی ہوگی۔

نواب قطب الدین خان حضور کا فرمانا بالکل درست ہے۔

بادشاہ سلامت باغ کے دروازہ پر پہنچے تو دربان نے ہات باندھ کر کہا ظل اللہ باغ کے دو حصہ ہیں ایک زنانہ ہے ایک مردانہ ہے اور دونوں حصہ بالکل الگ الگ ہیں اِس دروازہ سے حضور مع اپنے مصاحبین کے مردانہ میں رونق افروز ہو سکتے ہیں اور اس دروازہ سے زنانہ میں بیگمات پہلے سے پہنچ گئیں ہیں بادشاہ سلامت نے دیکھا کہ زنانی ڈیوڑھی پر گجراتی عورتیں تلواروں سے پہرا دے

چین اُٹھ گیا ہے میں نے اپنے درد دل کا علاج خود بھی کرنا چاہا مگر اس
...نہ آیا علی قلی کو ایک بار ہاتی سے ایک بار شیر سے بھڑا دیا کہ اُس کا کام تمام
ہو جائے اور مہر النساء عدت کے دن پورے کر کے میرے محل میں آ جائے
...جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے نہ ہاتی نے اُس کا بال بیکا کیا نہ شیر
...لاچار ہو کر آپ کو تکلیف دیتا ہوں آپ اس کام کا بیڑا اُٹھائیے

...قطب الدین خان — جو حضور کی خوشی مجھے جو حکم ملے گا۔ اُس کی
...سے تعمیل کروں گا۔

...لامت — حکم تو نوکروں کو ملا کرتا ہے آپ تو میرے بھائی ہیں
اِس لئے میں بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ آپ بنگالہ چلے
جائیے۔ جس دن سے امیر ابو العلا خان نے بنگالہ کی نظامت کو
سنبھالا خوب کام چل رہا ہے مگر وہاں ایک شاندار ناظم کی ضرورت
ہے آپ بردوان میں جا کر رہیئے جو بنگالہ کا صدر مقام ہے۔
...موجود ہے ایک پختہ دو کلاج ہو جائیں گے آپ اُسے شیشہ میں

اُتاریں گے پرچائیں گے۔

نواب قطب الدین خان۔ مجھے بنگالہ جانے سے اصلاً انکار نہیں ہے

میں حضور کے اقبال سے وہاں کا انتظام بھی اچھی طرح کروں گا مگر مجھے

یہ امید نہیں ہے کہ علی قلی بہلائے پھسلائے میں آجائے گا اور اپنی ضد

سے ہات اٹھائے گا اور وہ تو ایک شریف آدمی ہے اس [illegible]

دنیا میں کوئی ذلیل سے ذلیل آدمی بھی گوارا نہیں کرسکتا ہے۔

بادشاہ سلامت۔ یہ آپ کا کہنا بالکل سچ ہے سیدھی انگلی

گھی نہیں نکلتا ہے تقریر سے کام نہ چلے تو آپ کی کمر میں شمشیر بندھی

ہوئی ہے۔

نواب قطب الدین خان۔ بہت خوب۔

بادشاہ سلامت۔ تو یہاں سے آپ کل ہی چلے جائیے

نواب قطب الدین خان۔ بہت اچھا مگر میں فتح پور سیکری

ہوتا ہوا بردوان جاؤں گا۔

بادشاہ سلامت۔ ضرور آپ گھر ہو تے جایئے مگر زیادہ نہ ٹھیریئے گا

دسویں جھلک

رہے گا کوئی تو تیغِ ستم کے یادگاروں میں
مرے لاشہ کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

قطب الدین خان عرش آشیانی کے عہد میں بہار کے
صوب انہیں نورالدین جہانگیر نے منصب پنجہزاری ذات
خاص سے جس کے اندر خاصہ کا گھوڑا با زین مرصع اور
شامل تھی عنایت فرمایا ہے اور بنگالہ کا صوبہ دار کر دیا ہے
ہے جس میں منصب دار کو پچاس ہزار فوج رکھنے کی ضرورت
قطب الدین خان بہادر گجرات سے سید ھے فتح پور
اور جب اپنے نانا جان حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

کے مزارِ پُرانوار پر فاتحہ پڑھنے گئے تو اُن کی آنکھوں سے بے اختیار
آنسو بہنے لگے۔ یہ سعادت حاصل کر چکے تو بدایوں کو چل دیئے کیونکہ بادشاہ
جہانگیر نے قصبہ بدایوں میں متصل چار ہزار بیگہ زمین نواب قطب الدین خان
صاحب کو بطور جاگیر عنایت کی تھی اور نواب عالی قدر نے اُس زمین پر
شیخو پورہ جہانگیر کے پُرانے لقب پر آباد کیا تھا کیونکہ حضرت سلیم چشتی ا
جلال الدین اکبر جہانگیر کو شیخو جی کہا کرتے تھے نواب ممدوح نے شہ
میں ایک شاندار قلعہ اور ایک عالی شان مقبرہ بھی بنوایا تھا اور ا
صدر مقام شیخو پورہ ہی ٹھیرایا تھا منشا یہ تھا کہ قلعہ میں مع اپنے
کے ہنسی خوشی زندگانی بسر کریں گے اور مقبرہ میں مرنے کے
آرام کریں گے نواب قطب الدین خان صاحب نے حضرت
تمام تبرک بھی شیخو پورہ میں لیجا کر رکھے تھے اور اُن کے لئے ا
بنائی تھی تاکہ خاندان چشتیہ کی یادگار قائم رہے چنانچہ اب
میں نواب قطب الدین خان صاحب کی ذریات اور وہ

...میر فراق اُس مقام کو بالقصد جا کر دیکھ آیا ہے نواب قطب الدین خان صاحب
...پورہ سے چلے تو شیخو پور کے ادنیٰ اعلیٰ آدمیوں سے ملے اور کہا بھئی
...اعتبار نہیں ہے ہمارا کہا سُنا معاف کرنا وہ کیا وقت تھا
...یل تھی نہ موٹر کار اور اُس زمانہ کے آدمی کیا عالی ہمت تھے جو
...دھوپ چھاؤں برسات ندی نالوں کی کچھ پروا نہ کرتے تھے
...منزل بمنزل مہینوں کوچ کرتے تھے اور اُن کے دل نہ اُکتاتے
...رتھیں بہلیں پالکیوں میں سفر کرتے تھے اچھے اچھے خیموں میں رات
...مگر سفر اور سقر کی ایک صورت ہے پھر بھی ہزار مشکلیں اور
...چلنے والے کی جان کے لئے تھیں۔ دلی آگرہ سے (خدا
...ئے) بردوان دو مہینہ کا رستہ ہے نواب قطب الدین خان
...داخل ہوئے تھے جو مہینہ بھر پہلے سے بردوان اور تمام
...رہی تھی لوگ کہتے تھے نواب قطب الدین بادشاہ سلامت
...کا بردوان میں صوبہ دار ہو کر آنا گویا خود بادشاہ سلامت کا

تشریف لانا ہے دیکھنا کس دھوم سے پہنچیں گے مہرالنسا اور شیر افگن خان کو اپنی فکر تھی کیونکہ ہاتی اور شیر سے لڑوانا خالی از علت نہ تھا آخر کار نواب صوبہ دار بہادر بردوان میں پہنچ گئے پچیس ہزار سوار رکاب میں تھے کوسوں میں چھاؤنی پڑگئی اور خود بدولت نے بردوان کے قلعہ میں رہنا پسند کیا جو شہر سے کسی قدر دور تھا دوسرے دن دربار ہوا پھر سمجھ لیجئے بادشاہ سلامت کے بھائی کا دربار تھا اس رونق کا دربار کیا کہ اکبر کا دربار یاد آگیا شیر افگن خان شہر سے متصل ایک باغ میں رہتا تھا دربار میں شیر افگن خان کو بھی جانا پڑا۔

نین نین کے جات ہیں نین نین کے ہیت
نین نین سے ملت ہی نین رین کہہ دیت

صوبہ دار صاحب کی اور شیر افگن خان کی بات چیت ہوئی مگر مالک اللہ تھا شیر افگن خان جھٹپٹا اُتار کر اپنے گھر چلا آیا۔ اور آتے ہی مہرالنسا سے کہا بیگم خدا خیر کرے صوبہ دار صاحب ... نہیں ہیں مہرالنسا نے یہ بات سنکر ایک آہ کی اور کچھ اس ...

اس بے لطفی کے آنے جانے میں ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک دن
ارصاحب نے کہا شیر افگن خان صاحب مجھے کرڈوڑیوں نے اطلاع
دی ہے کہ آپ اپنی جاگیر کے کاشتکاروں کے ساتھ سختی برتتے ہیں
یہ اکبری دور نہیں ہے یہ جہانگیری وقت ہے رعایا پہ سختی کسی طرح
نہیں ہے۔

ن خان جس کسی نے آپ سے میری شکایت کی ہے محض
ہے ذرا اس کرڈوڑی کو میرے سامنے بلوائیے صوبہ دار صاحب تو
کے حالات تھے اس لیے وہ ناحق دوبارہ گفتگو کر رہے تھے
خان کے اس کہنے پر منہ بگاڑ کر چپ ہو گئے اس تلخی میں ایک
گیا اور شیر افگن خان کو صوبہ دار صاحب کی طرف سے پوری
وہ جب صوبہ دار صاحب سے ملنے آتا تو مسلح آتا ایک دن
ن خان صوبہ دار صاحب کے بلائے پہنچے تو دیکھا صوبہ دار
نہیں اکیلے بیٹھے ہیں۔

صوبہ دار صاحب۔ آئیے آئیے یہاں تشریف لائیے شیر افگن خان بیٹھا
مگر نہایت ہوشیار چوکس۔

صوبہ دار صاحب۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔

شیر افگن خان۔ فرمائیے۔

صوبہ دار صاحب۔ آپ معاف کیجئے گا میں بادشاہ سلامت کا ایک
پیغام لایا ہوں آپ کو پہنچانا چاہتا ہوں۔

شیر افگن خان۔ ارشاد کیجئے۔

صوبہ دار صاحب۔ حضور والا نے فرمایا ہے علی قلی سے کہنا آدمی
اصلیت کو نہ بھولے تمہاری اوقات یہ تھی کہ بادشاہ ایران کے با
میں داروغہ تھے اور وہاں پڑے پڑے مکھیاں مارا کرتے تھے ہند
میں آکر خانخاناں کے ٹکڑوں پہ پڑے رہے خدا عرش آشیانی
کرے جنہوں نے تمہیں بھاگ لگائے اور جاگیر عنایت فرمائی۔ ہما
بھی تم پر اب تک مبذول ہے اسی وجہ سے ہم نے تمہیں شیر ا

خطاب دیا اور خلعتِ خاص مرحمت فرمایا تمہیں لازم ہے کہ ہمارے
حقِ نمک کو نہ بھولو اور ہماری اطاعت اپنے لئے فرض سمجھو تم یہ بھی جانتے ہو
کہ مہر النساء کے اوپر سب سے پہلے ہماری ہی نظر پڑی ہے اس لئے وہ
درحقیقت ہماری ہی مطلوبہ اور محبوبہ ہے تاہم تم اُسے اپنے تصرّف میں
ایک مدت تک لائے ہو مگر خیر تم بغیر سمجھائے اس معاملہ کو نہیں سمجھے تو تم پر
چنداں اعتراض بھی نہیں ہے مگر جب تمہیں یہ امر جتا دیا گیا تو تمہیں لازم
ہے کہ ادب سے نہ بڑھو اور مہر النسا کو ہنسی خوشی ہمارے پاس بھیجدو
جانتے ہو بادشاہوں کا غصہ بے پناہ ہوتا ہے۔

شیر افگن خان ۔ واہ جناب صوبہ دار صاحب میں تو سمجھا تھا آپ
میرے لئے یہاں بھیجے گئے ہیں مگر معلوم ہوا کہ آپ بادشاہ کے
دلال بن کر آئے ہیں افسوس آپ نے اس منصب اور دنیاوی
عزت کے پیچھے اپنے بزرگوں کے چال چلن کو بالکل بھلا دیا آپ
جانتے ہیں آپ کس کے پوتے ہیں اور کس کے نواسہ کہلاتے ہیں اور

کس خاندان میں سے ہیں میاں قطب الدین سچ کہنا بادشاہ کی طبیعت اگر
کسی اور خاندانی شخص کی منکوحہ کی طرف راغب ہو جاتی اور اُسے یہ پیغام
سُنایا جاتا تو وہ اسے قبول کر لیتا میرے نزدیک تو اس کا جواب وہ زبانِ شمشیر
سے دیتا صوبہ دار صاحب کو یہ گمان تھا کہ جب میں شیر افگن خان کو
اعلیٰ حضرت کا حکم سُناؤں گا تو وہ ڈر کے مارے تھرا اُٹھے گا اور کہے گا
کہ بہت اچھا میری جورو کو بادشاہ کے پاس بھیج دیجیئے مگر وہ ایک غیرتمند
آدمی تھا صوبہ دار صاحب کی بات سُنتے ہی وہ تلوار ٹیک کر کھڑا ہ
نواب قطب الدین خان بھی ایک دلیر شخص تھے مگر قضا نے اُن کے
پکڑ لئے تخلیہ کے لحاظ سے انہوں نے اپنے خدمتگاروں کو بھی دُ
تھا تاہم اُنہوں نے پکارا ابھی کوئی ہے ادھر آؤ مگر گلے کو موت
حلق میں اچھو لگا آواز نکلی مگر نوکروں تک نہ پہنچی اتنی دیر میں شہ
نے صوبہ دار صاحب کو قتل کر کے پارہ پارہ کر ڈالا جب وہ خ
لیکر کمرہ سے باہر نکلا تو لوگ دوڑے اور صوبہ دار صاحب کی

شیر افگن خان پر حملہ آور ہوئے مگر شیر افگن خان وہ بہادر اور بے جگر شخص
تھا جس نے ہاتھی اور شیر کو بے ہتھیار کے خاک و خون میں ملا دیا تھا
چند سپاہی اس سے کیا مقابلہ کر سکتے تھے اس نے سب کو تلوار کے
گھاٹ اتارا اور آپ اپنے مکان کو چلا جب یہ شہر کے قریب پہنچ لیا تو
قطب الدین خان صاحب کے رسالہ کے ایک افسر نے مع چند سواروں
کے اس کا پیچھا کیا یہ اپنی حویلی کے احاطہ میں داخل ہو چکا تھا جو رسالہ
افسر اور اس کے ہمراہی آن پہنچے افسر نے اپنے ماتحتوں سے کہا دیکھتے
ہو اس بدبخت نے بادشاہ کے بھائی کو قتل کیا ہے تم اسے پرزہ پرزہ
[illegible] افگن خان زنانی ڈھیوڑی تک پہنچ لیا تھا مگر ڈھیوڑی کا دروازہ
[illegible] کے مارے بند کر لیا تھا کیونکہ شور و غل سن کر ساری زنانی
[illegible] شیر افگن خان حریف کی آواز سن کر پلٹا اس کے ہات
[illegible] موجود تھی جس سے صوبہ دار صاحب کو ہلاک کر چکا تھا
[illegible] کرتا بہت سے بلم اور برچھیاں اس کے سینہ میں

لٹ کر پار ہوگئیں۔ یہ لڑکھڑا کر خاک پر گرا پھر کیا تھا ایک شیر افگن خان کے بچاس شیر افگن خان ہوگئے انگنت تلواریں پڑیں جنہوں نے ریزہ ریزہ کر دیا اس قیامت خیز مصیبت کو دیکھ کر مہر النساء پردہ سے نکل آئی اور شیر افگن خان کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر اُس نے پیٹنا شروع کیا۔ اُس کے بیانوں سے پتھر کا جگر پانی ہوا جاتا تھا وہ بار بار کہتی تھی اے میرے وارث اس بندی کو تو کس پر چھوڑ گیا اب میں کس کی ہو کر رہوں گی ہائے اس ٹرپیں میں وہ بندی لٹ گئی اُس کے پاس ہی اُس کی لڑکی کھڑی تھی اور باپ کو بکرے کی طرح کٹا ہوا دیکھ کر واویلا کر رہی تھی اُدھر صوبہ دار صاحب کی م پر اُن کے عزیز رو پیٹ رہے تھے خاص کر اُن کے صاحبزادہ ف جن کا خطاب اورنگ زیب کے عہد میں محتشم خان ٹھیرا اور وہ زمانہ میں ایک رکن سلطنت سمجھے گئے اپنے باپ کو اس طرح ر کہ سننے والوں کا کلیجہ پھٹا جاتا تھا خیر ان کے تو دل کو لگی تھی نے سارے بردوان میں بھونچال پیدا کر دیا تھا اور پھر گھر گھر

کی آوازیں آ رہی تھیں گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد جب نواب قطب الدین خان

پسماندوں کے ہوش حواس کسی قدر درست ہوئے تو دیوان خانہ میں

پہنچ کر انہوں نے کہا سلطانی قاضی سلطانی مفتی اور میر عدل کو اور اُنکے

علاوہ جو جو معزز اور سردار ہیں اُنہیں بُلا کر مشورہ کرنا چاہیئے کہ اب کیا کیا

جائے۔ ان لوگوں کا پہلے سے دل صوبیدار صاحب کے مکان پر آنیکو

چاہ رہا تھا مگر وہ اپنی اپنی جان کے لئے ڈر رہے تھے ان لوگوں کے

پاس پیغام پہنچا کہ اب وہاں کچھ خطرہ نہیں ہے فوراً آ گئے اور مشورہ

شروع ہوا میر عدل نے کہا میری رائے ناقص یہ ہے۔ کہ نواب

صاحب مرحوم مغفور سلطان اور علی قلی خان دونوں مسلمان تھے آپس میں لڑے

اور اس نوبت کو پہنچے تو اس میں ہمیں کوئی دخل نہیں تھا اس کا

فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا اور وہی خوب جانے گا کہ دونوں میں خطا وار

کون ہے ہمارا یہ فرض ہے کہ دونوں کے جنازہ کی نماز ادا کریں

اور اسی وقت بارگاہ سلطانی میں اس معاملہ کی

عرضی لکھ کر روانہ کریں وہاں سے جو حکم جس کے نام آئے وہ اُسکی تعمیل کرے مفتی صاحب نے فرمایا میر عدل صاحب کی رائے بالکل صحیح ایسا ہی ہونا چاہیئے قاضی صاحب نے فرمایا مجھے بھی میر عدل اور مفتی صاحب کی رائے سے اتفاق ہے اُسی وقت تجہیز تکفین کا سامان کیا گیا پہلو بہ پہلو دو قبریں تیار کی گئیں اور ایک میں شیر افگن خان کو اور ایک میں نواب قطب الدین خان صاحب کو سُلا دیا ؎

ذرا دیکھو انجامِ کارِ بشر
کہاں سے یہ آیا کہاں رہ گیا

نواب قطب الدین خان صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے لئے مقبرہ [illegible] کے پاس شیخوپورہ میں بنوایا اور رہے وہ بردوان میں یہ دو [illegible] اب تک بردوان میں موجود ہیں اور اُن کے کتبے سیاح کو بتا دیتے ہیں کہ ان میں سے ایک باغیرت شخص کی گور ہے جس نے اپنے ننگ و ناموس کے لئے جان گنوا دی [illegible] دوسرا مزا[illegible]

اور ایک جاں نثار کا ہے جس نے آقا کے حکم کے آگے زندگی کو بے حقیقت
سمجھا اور گلا تلوار کے نیچے دھر دیا غرضیکہ قاصد صبا رفتار اکبر آباد لیکر چل دیا
اور جلد تر دربار شاہی میں پہنچ گیا بادشاہ سلامت نے قاصد کو سیاہ
لباس میں دیکھ کر کہا خیر ہے قاصد نے رو کر کہا صوبہ دار صاحب شیر افگن خان
...ت سے شہید ہوئے اور قاتل بھی اپنی سزا کو پہنچا ادھر منشی نے
...ہ کر سنایا تو دربار میں ہر طرف سناٹا چھا گیا اور بادشاہ سلامت
غصہ کے کانپنے لگے چہرہ سرخ ہو گیا حکم ہوا کہ دوسرا قاصد کمر باندھے
... والا نے اپنے ہاتھ سے نائب صوبہ کو رقعہ لکھا کہ علی قلی نے
...ب الدین خان صاحب کو کیا قتل کیا گویا ہم پر ہاتھ اٹھایا
... نے اس کی ہلاکت میں جلدی کی مناسب تھا کہ اُسے گردن
... یہاں بھیج دیتے اور ہم اُسے اس عذاب سے قتل کرتے کہ
... یا اور مہرغان ہوا اُسے دیکھ کر عبرت پکڑتے مگر خیر وہ اپنی
... کو پہنچ گیا تمہیں لازم ہے کہ اس حکمنامہ کے پہنچتے ہی بھائی

قطب الدین خان صاحب کے اہل و عیال کو بہت آرام اور انتظام کے سات اکبر آباد روانہ کرو تاکہ وہ اور ہم مل کر ماتم کریں اور اُس نمک حرام کے گھر کو لُوٹ کر تمام سامان اور اثاثہ ضبط کر کے مع اُس کی بدبخت بیوہ مہر النسا کو لوہے کا طوق اور زنجیر پہنا کر گنہگاروں کے طور پر نہایت ذلّت و خواری کے سات حضور میں بھیج دو تاکہ برادرِ شہید کا انتقام اُس سے بھی لیا جائے۔

گیارویں جھلک

غم کی برسات چھ برس برستی رہی آنسوؤں نے گھر بٹھا دیا بیگم کی جلن بجلی بن کر تن بدن کو جلاتی رہی مصیبت کے بادلوں نے اگرچہ بڑا زور کیا رنج کی ہواؤں نے بہت کچھ شور کیا مگر خدا کے سوا کسی چیز کو بقا نہیں طبیعت بدلی رُت بدلی موسم بدلا دیکھئے اکبر آباد کے قلعہ میں جشنِ ہمایونِ شاہی

...اندر حضرت عرش آشیانی کی بیگم سلیمہ سلطان مہرالنساء سے کیا
...چیت کر رہی ہیں۔
...۔ بُوا مجھے یہ گُھنّی ساونی اچھی نہیں لگتی مُنہ سے بولو سر سے کھیلو۔
...النساء۔ حضور اس بندی کے کلیجہ میں غموں نے گھاؤ ڈال دیئے
...اتنی طاقت ہی نہیں کہ حضور کی بات کا جواب دوں۔
...۔ دنیا میں تم پر نرالی مصیبت نہیں آئی پیروں پر پیغمبروں پر اماموں
...ہوں پر اور اُن کی بہو بیٹیوں پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ مگر
...نے اُف تک نہیں کی اور اُف کرنے سے کام کیا چلنا ہے
...وقت یہ بالکل خیال نہ کرو کہ میں جن سے بات کر رہی ہوں وہ
...بادشاہ کی ماں ہیں اور میں ایک غریب اور لاوارث رنڈیا ہوں
...سمجھو کہ میں بیٹی ہوں اور جو مجھ سے بات کر رہی ہیں وہ میری سگی
...اور اپنی ماتا کے کارن مجھے اونچ نیچ سمجھا رہی ہیں اس لئے
...لی ہو جاؤ اور جو کچھ جی میں ہے وہ کہہ ڈالو۔

مہرالنسا۔ حضور گستاخی معاف ہو سچی بات نگوڑی کڑوی ہوتی ہے
بیگم۔ تم کڑوی کسیلی کا ذرا دھیان نہ کرو اور جو جی میں ہے وہ بیدھڑک کہو
مہرالنسا۔ حضور جو فرماتی ہیں کہ تو بادشاہ سلامت کے فرمانے کو نیچا ڈال
حضور ہی انصاف فرمائیں بادشاہ سلامت نے مجھ بندی کا کیا نیوانا س
کیا ہے کن دہاڑوں کو پہنچایا ہے کیا کھو جڑا کھویا ہے میرے شیر سے
خاوند کو مروایا لاکھ کا گھر خاک میں ملایا بڑوان سے مجھے گھسٹوا کر بلوا
طوق زنجیر مجھے پہنوائے میری باپ بھائی کی عزت لی اُن کی کورنش
اور مجرے بند کر دیا سینکڑوں عورتوں کو میرے پاس پیغام سلام کے لئے
بھیجا جو آتی نئی طرح سے میرا دل دُکھاتی ایک کہتی بیوی بادشاہ سلامت
کے جی سے آپ کا خیال بالکل اُتر گیا تھا کل اُس دن آپ کی حویلی کی
طرف سے گزرے تو سواری میں بیٹھے بیٹھے پھر آپ کا تصور بندھ گیا
مجھے بھیجا ہے مگر میں نے ایک کان گونگا ایک بہرا کر لیا آنے والیوں
سے کہدیتی ہاں بوا تمہارا کہنا سچ ہے وہ بندی رانڈ ہو کر بیوا ہو گئی ہے

جو کچھ چاہو وہ کہہ جاؤ۔ اب آپ ہی کہئے ان باتوں سے میرا ٹوٹا ہوا
دل جڑ سکتا ہے مجھے بادشاہ سلامت سے کچھ فلاح ہو سکتی ہے اگر
ی بوٹیاں پسینہ پر رکھ اڑائی جائیں گی تو بھی میں ہامی نہ بھروں گی۔
بس کہہ چکی۔

النسار۔ جی ہاں عرض کر چکی۔

مہرالنسار غم اور رنج نے تیری عقل کھو دی ہے تو دیوانی دیوانی
رتی ہے ارے باولی تو اپنی جان بھی دیدیگی تو شیر افگن خان قبر
ر قیامت سے پہلے نکلے گا نہیں مردہ اور زندہ کا آپس میں کچھ
قی ہی نہیں میں نے تیرے باپ میرزا غیاث اور تیرے بھائی
و ڈھیوڑھی پر بلا کر سمجھا دیا ہے تیری ماں سے بھی تخلیہ میں میری
ت ہو گئی ہے سب کے سب مجھ سے کہہ گئے ہیں آپ مالک ہیں
یں ہم حضور کے فرمانے سے کسی طرح سرتابی نہیں کر سکتے ہیں
ر کے سمجھنے کا کچھ خیال نہ کیجئے تو اب اس ضد اور ہٹ کو چھوڑ دے

تو پیغمبروں کی بیٹیوں سے رتبہ میں بڑھنا چاہتی ہے اُن پاک بیویوں نے
خدا رسول کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اور ایک چھوڑ دو دو تین تین بار
نکاح کئے تو تو ہندنی نہیں ہے جو دوسرے نکاح کو عیب گنتی ہے
بہن بیٹی تو ایران کی رہنے والی جہاں دن رات ان باتوں کا اوڑھنا
بچھونا ہے پھر کیا سوچ ہے یہ تیرا کہنا سچ ہے بادشاہ نے تجھ پر اور
تیرے خاوند پر ظلم کئے اُس کا بدلہ تجھے عاقبت میں ملے گا خدا کے سامنے
دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا مگر تقدیر کو ہات سے دینا بیوقوفی ہے
سلیمہ سلطان بیگم اسی طرح مہر النسار کو باناغہ سمجھا رہی تھیں ارسطو کا قول ہے
گردش زدہ اثر سے وارد آج بیگم کی بات کو سُن کر وہ چُپ ہو گئی اُس کے
چُپ ہوتے ہی بیگم نے شادی کی تیاری شروع کر دی اُس وقت بھی لوگ
جہانگیر کی اس حرکت پر ہنستے تھے اور گلی گلی اکبرآباد میں یہ ہی تذکرہ تھا کہ
بیٹے پوتے والے دولہا میاں اور چالیس سے اوپر کی دلہن اور وہ بھی
اولاد والی یہ کیسا بیاہ ہے یہ کیا چوچلا ہے اور اب بھی جو تاریخ کو پڑھتا ہے

جو سنتا ہے وہ یہی کہتا ہے جہانگیر نے یہ کام پسندیدہ نہ کیا مگر ان حضرات
عشق کے کوچہ کی ہوا نہیں لگی ہے نرگس بیمار کی بیماری ہیں کہیں مبتلا
نہیں ہوئے ہیں ورنہ یہ اعتراض منہ سے نہ نکالتے عشق میں گورسے
لے کو جوانی بڑھاپے کو کچھ دخل نہیں ہے عشق کے کام سب بے وقت
تے ہیں اس میں گناہ بھی ثواب ہے اس میں ثواب عذاب ہے
جہانگیر کے نکاح میں آتے ہی مہرالنسار نورمحل اور نورمحل سے
بن گئیں ہندوستان کی سلطنت اس کی مٹھی میں آگئی میرزا
اُن کے والد بزرگوار جن پر مکھیاں بھنکنے لگیں تھیں اعتمادالدولہ
جن کا مقبرہ اکبرآباد میں ممتاز محل کے روضہ سے بھی انوکھا اور
ح بنا ہوا ہے بیٹی بادشاہ ہوئی تو باپ وزیر بنے بھائی بادشاہ
کیونکہ نورجہاں بیگم جو لڑکی اپنے ساتھ لائی تھیں وہ جہانگیر
دلبند کے عقد نکاح میں آئیں اب نورجہاں بیگم کی پانچوں
ہیں اُن کے گھر میں دن کے وقت گھی کے چلتے تھے اس میں

کوئی شک نہیں ہے کہ نورجہاں حُسن وجمال سے زیادہ لیاقت اور عقل میں یکتا تھی اُس نے شاہنشاہ کے دل پر اپنا سِکّہ بٹھا لیا اور وہ سلطنت کا انتظام کیا کہ سب نے مرحبا کہا اُس نے دربار کے ڈھنگ کو بدلا اور اس سلیقہ سے بدلا کہ ایران تک دھوم مچ گئی اُس نے فوج کی ایسی درستی کی کہ پُرانے پُرانے سپہ سالاروں نے اُس کا لوہا مان لیا جب بادشاہ سلامت اُسے مالی مُلکی فوجی اِنتظام میں مشغول دیکھتے تو خوش ہو کر فرماتے ؎

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ
نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز

جس وقت بادشاہی مجلس میں شاعر اپنی اپنی خوش بیانی اور گوہرفشانی کا کمال دکھاتے تو پردہ کے پیچھے سے خواجہ سرائے محلی نکل کر بیگم کی طرف سے داد دیتا اور یہ بھی کہہ دیتا کہ حضور عالیہ ارشاد فرماتی ہیں کہ یہ مصرع تمہارا پھیکا ہے یہ آپ سے غلطی ہو گئی ہے یہ بندش سست ہے

دارالحکومتِ سلطانی سے کوئی کاغذ نہ نکلتا جس پر بیگم کا صاد ہو ٹکسال میں روپیہ پیسہ سے لیکر اشرفی تک نورجہاں بیگم کے نام سے زینت پاکر نکلتی اگر کوئی حاجتمند آدمی بادشاہ سلامت کے آگے اپنے معاملہ کو پیش کر دیتا تو اُسے یہی جواب ملتا بیگم سے کہو۔ کیونکہ میں سیخ کباب اور جامِ شراب کے بدلہ سلطنت اُنہیں دے چکا وہی جہانگیر ہیں وہی زینتِ تاج و سریر ہیں جب کہیں بادشاہ سلامت شیر کے شکار کیلئے تشریف لے جاتے تو یہ بھی عماری کے اندر برابر بیٹھتی اور بادشاہ سلامت سے پہلے شیر کو خرگوش کی طرح تیر و تفنگ سے ہلاک کر ڈالتی۔

بارہویں جھلک

دل میں گھر یار کے پیکان کئے بیٹھے ہیں
مجھ پہ قبضہ مرے مہمان کئے بیٹھے ہیں

بادشاہ سلامت۔ کیوں بیگم کابل چلنے کے واسطے کیا رائے ہے؟

نور جہاں۔ حضور کابل کا چلنا سلطنت کی جڑ مضبوط کرنی ہے جس وقت حضور کابل میں رونق افروز ہوں گے تو سب دشمنوں کے مان مٹک جائیں گے ایران توران کے بادشاہ جب سنیں گے کہ تاجدار ہند کابل میں آن پہنچا تو سمجھ جائیں گے کہ یہ جو سنا کرتے تھے کہ وہ شراب اور افیون کا غلام بن گیا ہے جھوٹ ہے اور ارشنیا فرقہ کی گوشمالی بھی اچھی طرح ہو جائے گی سچ پوچھئے تو کابل آپ کے باپ دادا کا ملک موروثی ہے اُس پہ قبضہ رکھنا لازمی ہے اور آپ کا دل بھی بہلے گا اُس کی سرسبزی شادابی خیبر کشمیر کو تو نہیں پہنچتی ہے مگر پھر بھی ایک سُہانا

مقام ہے قسم قسم کے میوہ قسم قسم کے شکار پہاڑوں کی سربلند چوٹیاں برف باری کا نظارہ دل کو عجب سرور بخشے گا چلیے اور ضرور چلیے مگر حضور اس مہابت خان نمک حرام کا کچھ تدارک پہلے کر لیجیے ایسا نہو آپ کے پیٹھ پھرتے ہی یہ ہندوستان میں انڈا بنڈا بھرے کیونکہ

بیشہ چوں خالی شود روباہ بازی میکند

غارتی نے سر سے کنواں کھود رکھا ہے بنگالہ کے خزانہ میں لاکھوں روپیہ کی خیانت کی ہے پھر اسے غرور اتنا ہو گیا ہے کہ حضور کے بغیر پوچھے گچھے اپنی بیٹی برخوردار بیگ کو بیاہ دی خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے آدمی کو آدمی دیکھ ڈھنگ پکڑتا ہے اُس کی دیکھا دیکھی اور سردار امیر بھی نڈر ہو جائیں گے اور جو چاہیں گے وہ کریں گے۔

بادشاہ سلامت۔ میں نے تمہارے سے کہے مہابت خان کو بلوایا ہے اور فرمان بہت عتاب خطاب کے سات اُس کے نام جاری کئے ہیں اور اُس کے داماد برخوردار بیگ کو بھی میں نے بلوایا ہے

کہیں باہر گیا ہے صبح شام میں حاضر ہو جائے گا مگر ہم مہابت خان کے انتظار میں کابل جانے کے لئے تاخیر نہیں کرنے کے وہ ہم سے آ کر رستہ میں ہی مل جائے گا اور اُسے کابل ساتھ لے چلیں گے اُسے سزا بھی خوب ہو جائے گی اور ہمارے پیچھے اس ملک میں کوئی فتنہ بھی برپا نہ کر سکے گا۔

بیگم۔ یہ رائے حضور کی بڑی صائب ہے بیشک اُسے ساتھ ہی رکھئے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں رکھ کر اُس کا کام تمام کر دیجیے۔

دوسرے دن حضور والا کا پیش خیمہ اکبر آباد سے باہر نکلا اور بد نصیب برخوردار بھی حاضر ہو گیا بادشاہ نے حکم دیا اس نامعقول کے بدن سے کپڑے اُتار کر کانٹوں کی سنٹیاں مارو چنانچہ مجرم کو ایک جا نگیہ دیکر اُس کے سارے کپڑے اتار لئے گئے اور سنٹی پر سنٹی اُس کے کولوں پر اور پیٹھ پر پڑنے لگی اور اُس نئے دولہ کے تن بدن سے خون کی پھواریں اُڑنے لگیں یہاں تک کہ پٹتے پٹتے وہ بیہوش ہو کر گر پڑا حکم ہوا کہ اس کی

ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتے لیجاؤ اور قلعہ معلیٰ سے باہر پھینک دو اور اس کے سسرہ نے جو کچھ اپنی بیٹی کو جہیز دیا ہے وہ اس کے گھر سے ضبط کر کے لاؤ اور خزانہ شاہی میں داخل کرو۔ نور جہاں بیگم پردہ کے پیچھے سے یہ تماشے دیکھ رہی تھیں اور خوش ہو رہی تھیں کیونکہ انہیں مہابت خان اور اس کے لواحق سے سخت نفرت تھی یہ خبر ڈاک چوکی کے ذریعے ملکوں ملکوں میں پہنچی مہابت خان داماد کی بے عزتی اور بیٹی کے گھر کی بربادی سُنکر ڈر کے مارے تھرّا گیا اور سب سے بڑا خوف اُسے یہ پیدا ہوا کہ حضور نے طلب کیا ہے جاؤں گا تو خدا جانے میرا کیا انجام ہوگا اور اگر نہ جاؤں گا تو بھی کم بختی ہے آخر اُس کے دل نے یہی فیصلہ کیا کہ چلو مگر کچھ آدمی اپنے بھروسہ کے ساتھ لے چلو آگے تن بہ تقدیر اُس نے اُسی دن کے لئے چھ ہزار راجپوت سورما سپاہی اپنے ذاتی نوکر رکھ چھوڑے تھے انہیں لیکر وہ چلا اور لاہور کے قریب بادشاہی لشکر سے جا ملا معلوم ہوا کہ جہاں پناہ سخت ناخوش ہیں حکم ہے کہ مہابت خان

بارگاہِ سلطانی میں داخل نہ ہونے پائے اور اُس بدبخت کے لشکر کا پڑاؤ بھی اُردوئے معلّیٰ سے دُور ہوا کرے کیونکہ اُس کے نالائق نوکروں کی صورت بھی ہم دیکھنی نہیں چاہتے ہیں۔ مہابت خاں کمبخت چاروناچار حضورِ والا کے ساتھ منزلیں طے کرتا چلا جاتا تھا اور ہر وقت لرزاں ترساں رہتا تھا جو بادشاہ سلامت سیر و شکار سے جی بہلاتے جہلم تک پہنچ گئے دریا زور شور سے بہ رہا تھا اور اُس کا پاٹ دُور تک پھیلتا چلا گیا تھا میر بحری نے آکر اطلاع کی کہ اگرچہ کشتیوں کا پُل بندھا ہوا ہے مگر بعض کشتیاں اس قدر مضبوط نہیں ہیں۔ خیر سے سینکڑوں ہاتی گھوڑے اُتر جائیں مرمت جاری ہے تاہم دو تین دن حضورِ والا اس کنارہ پر سیر و شکار میں مشغول رہیں تو مناسب ہے بادشاہ نے فرمایا ہم تمہارے بغیر کہے ایک ہفتہ یہاں ٹھہریں گے اور دل بہلائیں گے مہابت خان اس منزل میں بھی اپنی فوج لئے پیچھے پڑا تھا اسی ہنسی خوشی اور عیش و سرور میں ہفتہ گزر گیا۔ اور

ادھی بجے کے بعد سے بادشاہی سامان اور فوج جہلم کے پل سے اترنے لگی صبح کے وقت جہاں پناہ نے فرمایا بیگم کی سواری بھی حاضر کرو لونڈی نے کہا جناب عالیہ کے واسطے سواری تو دو بجے رات سے درِ دولت پہ موجود ہے۔

بادشاہ سلامت بیگم بسم اللہ سوار ہو جاؤ جب چھیڑ ہو جائے گی اور میں دیکھوں گا کہ اب کوئی پار جانے والا نہیں رہا تو میں بہت اطمینان سے اُدھر آؤں گا آپ دریا سے اُتر کر میرا انتظار کریں۔

نور جہاں بیگم حضور اللہ بیلی میں جاتی ہوں۔

بادشاہ سلامت۔ خدا حافظ۔

جب نور جہاں کی سواری پل سے اُتر گئی تو بادشاہی خیمہ کے اندر صرف جہاں پناہ چھپر کھٹ میں شکھ کرتے ہوئے رہ گئے اور نوکروں میں ایک عرب ایک میر منصور بدخشی جواہر خان خواجہ سرا اور بلند خان اور خدمت پرست خان فیروز خان فصیح خان مجلسی رہ گئے۔ حضور کا

چھپر کھٹ خیمہ کے صحن میں تھا باد نسیم چل رہی تھی رام رنگی کا نشہ ابھی
کم نہ ہوا تھا جو حضور والا کے کان میں کچھ نئے آدمیوں کی آوازیں آئیں
آنکھ کھول کر دیکھا تو اپنے تئیں ننگی تلواروں کے نیچے پایا چاروں طرف
سے راجپوت گھیرے ہوئے تھے جن کے سر پر پٹڑھی نیفیاں بندھی
ہوئی تھیں اور مہابت خان مہیب صورت بنائے تلوار کے قبضہ پر
ہات دھرے کھڑا تھا بادشاہ سلامت اپنے تکیہ کے نیچے سے تلوا
سنبھال کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا مہابت خان یہ کیا دغا بازی ہے؟
مہابت خان حضور والا جب آدمی اپنی جان سے تنگ ہو جاتا
ہے تو پھر جان پر کھیل بھی جاتا ہے جہاں پناہ کے کان میں جو فدوی
کی طرف سے باتیں پروئی گئی ہیں سب جھوٹ تھیں مگر حضور نے انکی
کچھ پوچھ گچھ نہ کی میرے بیگناہ داماد کو ناحق و ناروا دشمنوں نے ذلیل
کروایا اور غلام کو درِ دولت تک آنے کی بھی مناہی کر دی گئی مرتا
کیا نہ کرتا میں نے بھی یہ پہلو اختیار کیا۔ میں نے اپنے دشمنوں کیلئے

سب رستے بند کر دیئے ہیں کئی سو راجپوت پل پر قبضہ کئے بیٹھا ہے
لشکر میں سے آدمی کیا کُتّہ بھی پلٹ کر ادھر نہیں آسکتا ہے اِس
جملہ کو سنکر بادشاہ سلامت کا نشہ ہرن ہوگیا حواس چوکڑیاں بھرنے
لگے تیموری خون نے رگوں میں جوش مارا چاہا کہ مہابت خان کی
اس بیہودہ گفتگو کا جواب زبان شمشیر سے دے مگر میر منصور بدخشی نے
ترکی زبان میں بادشاہ کو سمجھایا یہ موقع بہت نازک ہے حضور تامل
فرمائیں بادشاہ سلامت نے تین بار حملہ کا ارادہ کیا مگر میر منصور بدخشی
نے تینوں بار منع کیا اور حضور والا خون جگر کھا کر چپ ہوگئے اِتنی دیر
میں نظر جدھر گئی سوائے راجپوتوں کی فوج کے کچھ نہ دکھائی دیا ان
ہیبت ناک راجپوتوں نے بادشاہی غسل خانہ کی تختہ قنات بھی توڑ کر
پھینک دی بادشاہ سلامت نے جامہ خانہ کے خیمہ میں جاکر لباس
شب خوابی بدلنا چاہا مگر مہابت خان نے کہا حضور اِتنی مدت کے
بعد تو قدم بوسی حاصل ہوئی ہے اب یہ کمترین کا دل کب گوارا کرے گا کہ

حضور اتنی دیر آنکھوں سے اوجھل رہوں بادشاہ نے سمجھ لیا کہ میرا کہنا نہیں چلے گا اور تقدیر نے مجھے چنگل میں پھنسا دیا ہنس کر فرمایا۔ ہم یہیں کپڑے بدلے لیتے ہیں اور چھپرکھٹ میں بیٹھے بیٹھے لباس بدل لیا مہابت خان نے کہا غلام کی تمنا ہے کہ حضور والا سوار ہوکر غلام کے خیمہ گاہ تک تشریف لے چلیں وہاں بندہ زادے اور سب چھوٹے بڑے قدمبوسی کے منتظر ہیں بادشاہ خیمہ سے باہر تشریف لائے تو دیکھا مہابت خان کا ہاتی جس پر عماری کسی ہوئی ہے حاضر ہے چار و ناچار اس پر سوار ہونا پڑا اور بادشاہ کے سات ہی سات دو راجپوت بھی عماری کی خواص میں جا بیٹھے اور ایک راجپوت مہاوت کے پیچھے زبردستی اڑ کر بیٹھ گیا خدمت پرست خان خواجہ سرا جس کے پاس شراب کی مینا اور پیالہ تھا اُس نے لپک کر ہاتی کی دُم پکڑ لی اور بہت چالاکی کے سات مع اپنے سامان کے وہ ہاتی کے اوپر پہنچا خواص میں بیٹھنے والے دونوں راجپوتوں نے اُس کے کٹار بھی چبھوئی اُسے مجروح بھی

کر دیا اُس کے ماتھے سے خون بہنے لگا مگر وہ عماری تک پہنچ ہی گیا اور
دونوں راجپوتوں کے بیچ میں گھس کر بیٹھ گیا اور ہات بڑھا کر جامِ سرشار
بادشاہ کو دیا حضور کی سواری مہابت خان کے ڈیروں کو جا رہی تھی
جو گجھت خان بادشاہی مہاوت جہاں پناہ کی خاص سواری کی ہتھنی
لیکر آن پہنچا گجھنت خان کے پیچھے اُس کا جوان بیٹا بھی بیٹھا ہوا تھا۔
گجھت خان نے مہابت خان سے کہا حضور والا کی خاص سواری آگئی
ہے ہاتی کو رکوا دو تا کہ حضور اُس پر سے اِس پر تشریف لے آئیں تمہارے
ہاتی کی چال سے معلوم ہوتا ہے کہ ہال بہت ہے حضور کو تکلیف ہوگی
مہابت خان کو گجھت خان کی یہ دلیری بہت ناگوار گذری اور اُسکے
اشارہ کے سات راجپوتوں نے گجھنت خان کو مع اُس کے بیٹے کے
ہتھنی سے گرا کر تلواروں سے پُرزہ پُرزہ کر دیا حضور والا نے یہ تماشا
دیکھا مگر مُسکرا کر خاموش ہو گئے اور شکار کھیلتے ہوئے مہابت خان کی
خرگاہ میں پہنچے۔ ہاتی سے اترے تو اُسی وقت پالکی میں بیٹھا اپنے

سپاہیوں سے اٹھوا خود کندھا دیتا ہوا اپنے خیمے میں لے گیا۔ خود
تین دفعہ تصدق ہوا۔ سب گھر والوں نے نذریں رکھائیں۔ ساتھ ہی
خیال آیا کہ چال چوک گیا۔ بیگم کو ضرور لینا تھا۔ جب جہلم کے پار بادشاہی
لشکر کو حضور والا کا مہابت خان کے ہات میں قید ہونا معلوم ہوا تو
سب کے اوسان جاتے رہے اور آصف جاہ اور نور جہاں کے
پاؤں کے نیچے سے تو زمین نکل گئی سب ارکان سلطنت نور جہاں کے
حضور میں حاضر ہو کے عرض کرنے لگے حضور یہ نوشتہ تقدیر ہے
ورنہ اُس مورِ ضعیف کی یہ طاقت نہیں ہے کہ سلیمان وقت کو وہ
پکڑ لے حضور کے حکم کی دیر ہے دریا لانگھ کر اُدھر جاتے ہیں اور اُس
نااہل کو نمک حرامی کا مزہ چکھاتے ہیں نور جہاں نے کہا اپنی غفلت کو
تقدیر کے سر تھوپتے ہو جب اُس نے پل ہی پر قبضہ کر لیا ہے۔ تو تم
اُدھر کیونکر جا سکتے ہو۔ اور اگر چلے بھی جاؤ تو تم مہابت خان کی فوج
سے ہرگز عہدہ برآ نہیں ہو سکتے ہو تمہاری اس حماقت سے خدانخواستہ

بادشاہ کو کوئی اور آزار پہنچے گا اس ہمت اور مردانگی کو اس وقت
موقوف رکھو میں خود اپنی جان پر کھیل کر جاؤں گی اور اس نالائق کا
مقابلہ کروں گی۔ نورجہاں کا یہ خیال بالکل درست تھا جو لوگ حوصلہ
کر کے پل تک گئے مہابت خان کی فوج سے شکست کھا کر بھاگے
اور ناکام پھرے دوسرے دن نورجہاں کنجیمروا اور گیو کی ہمت کے
ساتھ ہاتی کی عماری میں سوار ہوئی اور اپنے دونوں پہلوؤں میں
شہریار اور شہنواز خان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو بٹھایا اور خواجہ سرا
سے کہا میری طرف سے بادشاہی نوکروں سے کہدو میں اپنی جان دینے
کے لئے جاتی ہوں اگر تم میں کوئی مرد ہے تو میرے ساتھ آئے ساری
فوج اور فوج کے افسروں نے کہا ہم سب جان نثاری کے لئے تیار
ہیں اور سب اس کے ہمرکاب ہوئے جب نورجہاں اس لشکر کو لیکر
دریا کے کنارہ پر پہنچی تو دیکھا دریا چڑھاؤ پر ہے اور جا بجا بھنور پڑ رہے
ہیں نورجہاں نے پردہ کے پیچھے سے مہادت کو اشارہ کیا دیکھنا کیا ہے

ہاتی دریا میں لے چلی مہاوت نے بسم اللہ کہکر ہاتی دریا میں ڈالا اور سلطانی لشکر کے بہادر راجپوتار سردار خواجہ ابوالحسن خان سید عبدالغفور بخاری سید مظفر معتمد خان ارادت خان نامی نامداروں نے اور انکے پیچھے کئی ہزار سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے مہابت خان اس حملہ سے خبردار تھا اس لئے وہ کئی سو ہاتی اور بہادر راجپوت لئے دریا پر ڈٹا رہا تھا اول تو دریائے جہلم ہی بادشاہی لشکر کو بہا لے گیا اور جو کنارہ پر پہنچے انہیں مہابت خان کی فوج نے موت کے گھاٹ اُتار دیا دریا اور دریا کے کنارہ پر سخت معرکہ گرم ہوا اس دارو گیر اور کشت و خون میں نورجہان کا فیلبان ہاتی کو دریا سے نکال کر کنارہ پر لے آیا مگر مہابت خان نے حرم شاہی کا بھی کچھ پاس نہ کیا سینکڑوں تیر عماری پر برسا دیئے اور ہاتی کو مارے برچھیوں کے چھید ڈالا تیر خیمہ کے اندر بادشاہ سلامت کے سامنے جا جا کر گرتے تھے مگر حضور دم نہ مار سکتے تھے بیگم نے بھی بہت ترکش تیروں کے آپ خالی کیئے آخر

ہزاروں آدمی ضائع ہوئے۔ لڑکیاں گو وہیں زخمی ہوئیں اور بیگم خود اُنکے بازو باندھتی ہوئی پار اتر گئیں۔ ادھر مہابت خان سجدے کر کرکے بادشاہ کے تصدق ہوتا تھا مگر قید کر رکھا تھا اور جو چاہتا تھا سو کرتا تھا۔ غرض دوسرے دن بعد قول وقسم کے بیگم کو بُلایا۔ بیگم اسی حال میں آئیں۔

جب بیگم سواری سے اُتریں تو بادشاہ سلامت نے دیکھا کہ تمام لباس خون میں افشاں ہو رہا ہے اور دونوں بیگناہ لڑکیاں چھلنی کی طرح چھد رہی ہیں۔ بیگم نے اپنے دوپٹے کی دھجیاں پھاڑ پھاڑ بچیوں کے زخموں پر باندھ دی ہیں۔ غرضکہ اسی حال میں نور جہاں نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ کیونکہ موقعہ ایسا ہی تھا۔ اس کے بعد مہابت خان نے بیگم کو الگ خیمہ میں لے جا کر قید کر دیا اور جبراً و قہراً بادشاہ سے قتل کا حکم لکھوا لیا۔ پھر خواجہ سرا کو بُلایا اور بیگم کو موت کا پیغام سُنایا۔ بیگم نے جب یہ حکم سُنا تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ مگر تدبیر کے میدان میں ایک قدم نہ چُوکی۔ نہایت بے پروائی سے کہا کہ خیر اگر میرے

مالک کا یہ ہی حکم ہے تو ایسا مرنا مجھے ہزار جینے سے بہتر ہے مگر ایک دفعہ
اس کا آخری دیدار دکھا دو۔ مہابت خان نے بڑی تکرار سے مانا مگر
اس شرط پر کہ ملاقات میرے سامنے ہو۔ چنانچہ وہ نورجہاں جس کے پردے
کے سامنے سے امرا۔ وزرا۔ پنجہزاری ہفت ہزاری خلعت پہنے نظریں
نیچی کئے گذر جاتے تھے آج نظر بندی کے سکھپال میں بیٹھ کر آئیں میلے
کچیلے کپڑے پہنے۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑتی۔ ہاتھوں میں سونے کی
ہتھکڑیاں۔ پاؤں میں بیڑیاں پہنے۔ منہ سے کچھ نہ بولی۔ مگر کچھ اس
انداز سے آکر کھڑی ہوئی کہ مایوسی اور بے اختیاری کی تصویر سامنے
کھینچ دی۔ اس کی صورت دیکھتے ہی بادشاہ کا جگر پانی پانی ہو گیا اور
آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور مہابت خاں کی منتیں کر کے
جان بخشی کرائی۔

غرضکہ مہابت خان کے اقبال کے سامنے دونوں کی کچھ نہ چلی
وہ نظربندی کے حال میں بادشاہ اور بیگم کو مع سارے جاہ و حشم کے

کابل لے پہنچا اور عرصہ دراز تک وہاں ڈالے رکھا۔ مہابت خان نے خاص خاص بادشاہی سرداروں کو بھی جن سے وہ بغض رکھتا تھا۔ ہلاک کر دیا۔ مگر بادشاہ سلامت کچھ نہ کہہ سکے۔ جہانگیر اس بندی سے اِس قدر دِق آیا کہ اپنے دادا جان حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ کے مزار پر جا کر رویا اور اُس نے اس منت کے ساتھ اُن کے مزار پر عالی شان مقبرہ بنوایا کہ مجھے جلد تر اِس بلا سے نجات ملے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر نورجہاں بیگم بادشاہ کے پاس نہ پہنچتیں تو بادشاہ اس بندِ غم میں کبھی زندہ نہ رہتے جب بادشاہ کا دل گھبراتا تو بیگم کہتیں صبر کیجئے میں چپکے چپکے آپ کی رہائی کا اِنتظام کر رہی ہوں اور واقعی بیگم نے کیا بھی ایسا ہی۔ مہابت خان جب بادشاہ کو نظر بندی میں لیکر کابل سے پلٹا اور خاص دریائے جہلم کے کنارہ بھبٹ کے مقام پر جہاں اُس نے بادشاہ سلامت کو قید کیا تھا پہنچا تو اُس نے دیکھا صبح کا وقت ہے نورالدین جہانگیر

شاہنشاہِ ہندوستان ہاتھی کے اوپر چتر لگائے رونق افروز ہے
اور اُس کے چاروں طرف فوج ظفر موج حکم کی منتظر کھڑی ہے کہ
کب اشارہ ہو اور ہم مہابت خان نمک حرام کا کام تمام کر دیں
مہابت خان نے اپنے دل سے کہا یہ کیا سامان ہے دل نے جواب
دیا اسے انقلابِ زمانہ کہتے ہیں یہ گردشِ لیل و نہار ہے کبھی سازگار
اور کبھی ناسازگار ہے رات کو چاند تاروں کی عملداری ہے دن میں
خورشید جہاں تاب کی باری ہے۔ غرضکہ مہابت خان شاہجہان
کی مہم کا بہانہ کر کے کھسک گیا!

حضورِ والا جہلم سے لاہور پہنچے اور لاہور کچھ دن رہکر کشمیر تشریف
لے گئے مگر کچھ وہاں کی سردی۔ کچھ شراب کی کثرت نے پرانے دمہ
کو جگا دیا اور پھر ہندوستان کو پھرے۔ جب مارگلے کے مقام پر پہنچے
تو شام کے قریب شکار کھیلنے بیٹھے۔ قراول اور وہاں کے پہاڑی
زمیندار ہرن وغیرہ شکاروں کو گھیر گھیر کر لاتے تھے۔ سامنے ایک پہاڑی

کی دھار تھی کہ جب ہرن اس کی چوٹی پر آتا۔ تو بادشاہ سلامت بندوق
مارتے تھے کہ شکار گولی کھا کر قلابازیاں کھاتا نیچے جا پڑتا۔ ایک
اجل رسیدہ لٹا کا ہرن کو گھیر کر سامنے لایا۔ مگر ہرن ابھی ٹھیک زد
کے مقام پر نہ آیا تھا۔ یہ بیچارہ خدمت کے جوش میں اور آگے بڑھا
کہ اسے روک کر آگے بڑھائے۔ اتفاقاً پاؤں پھسل گیا پاس ایک
چھوٹا سا درخت اگا ہوا تھا۔ سہارے کے لئے اس پر ہاتھ مارا مگر
وہ بھی ٹوٹ گیا۔ اور یہ اجل کا شکار خود شکار کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا
قلابازیاں کھاتا پہاڑی کی تہ میں پہنچا کہ ہڈیاں چور چور ہوگئیں۔ بادشاہ
گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حرم سرا میں آئے۔ اسی وقت سے طبیعت
دم بدم بگڑنی شروع ہوئی۔ آخر کار ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو خیمہ کے قبہ کے
نیچے جان جاں آفرین کو سپرد کی لاش لاہور لا کر دریائے راوی کے
کنارہ دفن کی گئی اور شاہجہاں نے اس پر عالی شان مقبرہ بنوایا۔
بیگمیں جو نورجہاں کو چھیڑا کرتی تھیں اور یہ کہا کرتی تھیں کہ رانڈ چاہیے

سو خاوند کرے مگر رانڈ ہی مرے گی وہ بات سچ ہوئی جہانگیر کے مرنے کا
اُسے بڑا صدمہ ہوا جب تک جیتی رہی سوگ میں ہی رہی چوڑی مہندی
رنگین کپڑے چھوڑ دیئے تھے اور آخر کار مر کر لاہور میں ہی دفن ہوئی۔
اُس کا اور اُس کے بھائی آصف جاہ کا مقبرہ بھی جہانگیر کے مقبرہ
سے کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ فقط (ناصر ندیر)
(۲۹ر جون ۱۹۲۲ء پنجشنبہ)

A very fine work

ڈرامہ اکبر

عشق سے کون ہے بشر خالی　　　کر دیئے اس نے گھر کے گھر خالی

ارے کوئی ہے کہ وقت کے فرشتہ کو حسن و عشق کا واسطہ دیکر پلٹیا لائے۔ دن رات
کے ورقوں کو واپس لوٹنے کا حکم دلوا دے۔ گذری ہوئی وارداتوں کو چلتی پھرتی تصویروں
کی مانند تصور کے پردے پر نظر پا دے ورنہ غضب ہوا جاتا ہے۔ پرچہ لگا ہے۔ کہ
الہ آباد کے کسی پروفیسر صاحب نے بکرماجیت کا دل گردہ نکال کر تاریخ کو فلسفہ سے
پڑھایا ہے اور دلیل ڈبے دلیل کی فوجوں سے سرکارِ عشق پر دھاوا بول دیا ہے۔

حملہ کیا ہے۔ گویا حسن کی طلسم کاریاں عشق و محبت کی جاں نثاریاں۔ جذبات
کی آن تھک کوششیں۔ ان سب کو ظلم و ستم کے بریگیڈ دستے گھیر کر میدانِ قرطاس پیچ
دھواں بنا کر اڑا دیا ہے۔ کیونکہ پروفیسر صاحب کا خیال ہے کہ جہانگیر اور نور جہاں کا
قصہ جس عنوان سے مشہور ہے اس کو اصل سے کچھ واسطہ نہیں۔ فقط طلسمِ ہوش ربا کے
قصوں کی نقل ہے۔ خاصکر شیر افگن خان کا قتل تو الزام بنا کر جہانگیر کی طرف سے خاصہ
وکالت کا حق ادا کیا ہے جیسا کہ آجکل کے مقدمہ ساز فلسفہ کے ذریعے جہانگیر کو ایک
حد تک بری بھی کر دیا ہے مگر افسوس اور ہزار افسوس کہ بے وقت ہے۔

خدا کرے کہ کبھی سوتے زمین کے پاٹ آسمان سے ملانیوالے فرشتے پروفیسر کو

عالمِ خواب میں جہانگیر کے سامنے پیش کر دیں اور وہ حُسن و عشق کا پُتلا۔ ایک جام و
ایک کباب پر بِک جانے والا سیدھا سادہ ترک خیال نشہ میں خوش مست بیٹھا ہو۔
کسی کا ہاتھ اسکی پیٹھ پر گُلِ یاسمن کی طرح دھرا ہو۔ پھر وہ پروفیسر صاحب ان کی منطق اسکے
سامنے پیش ہو جائے تب دیکھیں کہ مینا بازار سے لیکر دمِ واپسیں تک کے مرقع اسکی آنکھوں میں
پھر جائیں۔ اپنی کاوشیں۔ اپنے جاں نثار رفقا کی محبتیں یاد آجائیں اور ادھر ایک
بے سر و پا دفتر فقط عبارت کے زور اور دلیلوں کے شور پر پروفیسر صاحب پیش کر کے ان
سب کی جانبازیاں خاک میں ملانا چاہیں تو یقین جانئے کہ ان کو وہ ہی انعام ملے
جو اس درگاہ سے قاضی نور اللہ شستری کو ملا تھا کیونکہ اس سے زیادہ سرکارِ محبت میں کوئی صلہ ہی نہیں
مگر اس کا اب کیا علاج کہ زمانے نے وہ ورق ہی اُلٹ دیا وہ بساط ہی سمیٹ لی
نفسا نفسی کی گرم بازاری اس قدر عام ہوئی کہ شخصی سلطنت کا نام بھی دُنیا میں رہتا نظر
نہیں آتا۔ ورنہ سب حال ایک نظر میں کھل جاتا کہ ایک اشارۂ ابرو پر کس طرح ہزاروں سر
قربانِ گاہِ عشق میں نذرانہ بن کر چڑھتے ہیں۔ واقعہ کے لحاظ سے شیر افگن کا قتل کوئی نئی
بات نہ تھی۔ انہیں حضرت جہانگیر کے دادا حضرت ہمایوں بادشاہ جنت آرام گاہ کے
معشوق شاہ ابوالمعالی نے رات کے وقت ایک بے قصور مسلمان کو قتل کیا اور صبح
ہوتے ہوتے مع اس خونچکاں تلوار کے سرِ دربار آ کھڑے ہوئے اور فقط اپنی ایک
مستانہ وار نگاہ کے اثر سے بیگناہ کا خون افشاں بنا کر اڑا دیا۔ اس وقت دربار میں جو لوگ

مجتہد۔ قاضی مفتی کیا کچھ نہ تھے۔ مگر کسی کے چھوٹے منہ سے ایک حرف بھی نہ نکلا۔ نکلتا بھی کیونکر۔ ڈھاں تو وہ ہی بولتا جسے خود بھی اسی گھاٹ پار اُترنا ہوتا۔ یہ بات بھی جانے دیجیے۔ حضرت اکبر اور انارکلی کا قصہ کیا کم عبرت انگیز ہے۔ پھر اگر جہانگیر بیچارے نے اپنا کانٹا اس طرح نکال لیا تو کون غضب کیا۔

فلسفۂ تاریخ سے ہمیں کیا نسبت۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ واقعات کو جانچنے کیلئے اُس زمانہ کے مناسب حال واقعات جن آدمیوں کے متعلق واقعہ ہو۔ ان کے طور طریقہ تاریخی قصہ کہانیاں جہاں تک اصلیت کا ساتھ دیں۔ اگر ٹھیک ٹھیک ایک جگہ جمع ہو جائیں تو کچھ نہ کچھ واقع اصل رنگ دکھانے لگتا ہے ورنہ اگر آج ایک شخص سیب کو سیب نہ کہے اور سب کے کہنے سے بھی نہ مانے تو اس کا کیا علاج؟

جن باتوں پر کہ عام مورخین ڈگمگا جاتے ہیں وہ فقط دو چیزیں ہیں۔ ا۔ تزک جہانگیر کی عبارت۔ ۲۔ اس پر طرہ جہانگیر کی صاف بیانی۔ اس کا جواب اتنا کافی ہے کہ یہ عبارت اس کا بیان سمجھنا چاہیے نہ کہ فیصلہ۔ اب رہی اس کی سچائی تو قتل سے تو انکار اس غریب کو بھی نہیں۔ فقط وجہ قتل میں اختلاف ہے۔ تزک کا بیان ہے کہ شیر افگن ایک سپاہی تھا۔ ہم نے اس کو عنایات کا مورد بنایا اور مرحمت خسروانہ سے سپاہی سے سردار کر دیا۔ آخر اس کورنمک نے بغاوت کی اور کیفر کردار کو پہنچا۔

ہم نے مان لیا کہ وہ ایک سپاہی تھا۔ آپ نے اس پر عطا و بخشش کا دروازہ

کھول دیا۔ اور آخر اس نمک حرام نے بغاوت بھی کی۔ مگر وجہ تو ذرا بتایئے کہ بغاوت کیوں کی؟ کیا اس کے دل میں شہنشاہ ہندوستان ہونے کا خیال تھا کیا شیر شاہ کی طرح اس کے ہم قوم وہم مذہب اس قدر جمعیت رکھتے تھے کہ ترکوں و راجپوتوں کے مور و ملخ جیسے لشکر کو دبا سکتے۔ پھر آخر اس نے آپ کے کون سے حکم کو رد کیا جو باغیوں میں شمار ہونے لگا۔

جہانگیر کی صاف بیانی سے جو شبہ اس معاملہ میں پڑ گیا ہے۔ وہ ہی اس کو پھنسا بھی سکتا ہے۔ کیونکہ سچائی کا شبہ ہی جھوٹ کا پردہ پوش ہوا کرتا ہے ورنہ جھوٹے آدمی کو اس شبہ کا فائدہ نہیں پہنچا کرتا۔ مگر ان سب باتوں کے علاوہ جو وجہ اس وقت ہمارے سامنے ہے وہ ایشیائی غیرت کے منافی ہے کہ وہ صاف لکھ دیتا کہ میرا معشوق اس کی بغل میں تھا اور میرے بار بار اصرار پر بھی وہ نہ چھوڑتا تھا۔ بس اسی لیے وہ سب باتیں چھپا کر فقط بغاوت کے لفظ پر ہی عبارت ختم کر دیتا ہے۔

اب ذرا بغاوت پر غور کیجیے۔ بغاوت کیوں کی۔ کہاں کی۔ کیا کیا سامانِ بغاوت فراہم کیے۔ کس کس پرگنہ سرکاری پر قبضہ مخالفانہ کیا۔ آخر کس مقام پر لشکر کشی ہوئی کہاں جنگ ہوئی۔ مگر افسوس یہ کچھ بھی نہیں۔ فقط قطب الدین کوکہ سے باتوں باتوں میں تلوار چلی اور دونوں ڈھیر ہو گئے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جہانگیر وجہ بغاوت نہیں بتا سکا۔ نہ وہ ملکی باغی تھا۔ البتہ نقد حسن کا ڈاکو ضرور تھا جسکی اسکو سزا بھی مل گئی۔

اب دوسری وجہ مغالطہ میں ڈالنے والی یہ ہے کہ عام طور پر اُس زمانے کے مورخین کچھ نہیں لکھتے۔ نہ لکھنا چاہئے تھا۔ آخر کس کی شامت نے دھکا دیا تھا کہ اپنے آپ کو تلوار کی دھار اور ہاتھی کے پاؤں کا شکار بناتا۔ صاحب وہ تو شخصی حکومت تھی۔ آج کی بات سُنئے کہ اس قدر آزادی کی ہوا چل رہی ہے مگر دیسی ریاستوں کو دیکھئے اگرچہ ہر طرح سے برٹش گورمنٹ کی سیاست میں جکڑی پڑی ہیں۔ مگر پھر بھی یہ قانون پیش کر ہی دیا کہ پریس ایکٹ کی آزادی میں یہ ترمیم ضرور ہو جائے کہ ہمارے خلاف کوئی شخص کچھ لکھ نہ سکے۔ حالانکہ شخصی حکومت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ قابلِ غور یہ امر ہے کہ جب انگریزی علاقہ والوں کی زبان تو اس طرح بند کر لی۔ اب ان کی اپنی رعایا میں کس کا دماغ پھرا ہے جو ان کے خلاف ایک حرف بھی لکھ سکے۔ ورنہ کھولو بچہ تیار ہے۔ ان سب باتوں کو اگر ایک جگہ جمع کر لیا جائے تو سب حال کھل جاتا ہے اور مورخین پر سے بھی الزام دُور ہو جاتا ہے۔

اب ذرا تصویر کا دُوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیے۔ مہرالنسا کون ہے؟ ایک باغی سپاہی کی بیوی۔ غیر مذہب ایرانی النسل۔ نووارد تیس سال سے اوپر۔ بچوں والی۔ پھر آخر اس میں کون سے پھول لگے تھے کہ شہنشاہ حضور کو اس کے بن چین ہی نہ پڑتا تھا۔ باغی کے بیوی بچوں کو تہِ تیغ کیا ہوتا۔ گھر بار کی اینٹ سے اینٹ بجوا دی ہوتی۔ اگر طبیعت ایسی ہی رحیم و کریم تھی تو بھول گئے ہوتے

بھلا دو تین سال تک کانٹوں پر کیوں لوٹتے پھرے۔ آخر بازی جیتی اور جیتی۔ زور کہو ظلم سمجھو۔ منت سماجت کے سر سہرا باندھو۔ مگر بیٹے پوتوں والے شہنشاہ کو جبھی صبر آیا کہ اس پھول کو زیبِ دامن کر ہی لیا۔

پڑھے لکھے آدمیوں میں سے بعض یہ بھی اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ نور جہاں شیر افگن خان سے بہت زیادہ محبت رکھتی تھی جس کی وجہ سے اس نے بار بار شادی سے انکار بھی کیا۔ مگر پھر تھوڑے سے ہی عرصہ بعد بالکل کایا پلٹ کیوں ہو گئی نکاح کیا کیا کہ دل سے دِلّی کی مالک ہی بن بیٹھی۔

یہ اعتراض بھی بھولے بادشاہ ہی اُٹھاتے ہیں۔ سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ فطرت کا تقاضہ غم اور غصہ ہے جس کا اظہار نور جہاں نے اِس طرح کیا جو اس کا حق تھا۔ مگر مجبوری اور وقت کا گذر جانا بھی تو کوئی اثر رکھتا ہے اس پہ غضب یہ کہ خود مختار بادشاہ۔ اوپر خدا دُور۔ نیچے شہنشاہ نزدیک جس نے لاکھوں جیسی جان کو فقط اپنی خوشی کے لیئے خاک میں ملا دیا۔ وہ اس پری پیکر سے نا اُمید ہو کر اس کو دیو مرگ کے سپرد کیوں نہ کر دیتا۔ اس کو اور اس کے گھر والوں کو کھٹو تھیے نیروں نہ اُڑوا دیتا۔ اور بھی جو جو کچھ کرتا تعجب نہ تھا غرضکہ یہ مجبوریاں تھیں کہ اس کو اپنے خاوند کے قاتل سے نکاح کرنے پر آمادہ کرتی تھیں۔ ورنہ وہ ستی تو ہونے سے رہی تھی۔

آخر مسلمان تھی۔ نکاح ہوا بیوی بن گئی۔ پردہ اٹھ گیا شخصی حکومتوں میں ہر شخص ترقی اور عزت کا خواہاں ہوا ہی کرتا ہے۔ اب اس کی عقلمندی اور تجربہ کاری تھی کہ اس رشتہ سے محلوں کی کارگذاریوں سے گذر کر دربارداریوں میں شریک ہوگئی۔ اور وہ رتبہ پایا کہ کسی مغل بیگم پر اس کے آنچل کا سایہ تک نہیں پڑا۔ اپنی عزت و حکومت کے علاوہ اپنے گھر والوں کو خانخاناں کی کرسی پر بٹھا دیا۔ اپنے ہم مذہب اہلِ ولایت۔ شاعر۔ مولوی مجتہد غرضکہ ایک انبوہ تھا جو نور جہاں کے پردے میں پل رہا تھا۔ اور جو ایجاد و اختراع اس نے حکومت کے ذریعہ کیئے ہیں تمدن کے زریں صفحوں پر قیامت تک چمکیں گے۔ یہ تمام باتیں تو اسکی قدر و منزلت۔ موقع شناسی پر دال ہیں نہ کہ خاوند کا خوں بہا ہو سکتی ہیں۔

ان تمام باتوں کو جانے دیجیئے۔ یہ واقعہ ہے کے دن کا۔ ابھی تو ہندوستان میں سینکڑوں خاندان اور گھرانے موجود ہیں۔ جن کے بزرگ مغل بادشاہوں کی آنکھ کی پتلی تھے۔ رازدان تھے۔ ہر کھلی اور ڈھکی بات سے واقف تھے۔ انکے گھروں میں سینہ بسینہ قصے کہانیوں کی طرح یہ اور اس قسم کے بیسیوں محلات کے واقعات چلے آتے ہیں۔ ان پر پانی کیسے پھر سکتا ہے۔ بردوان میں دونوں نامرادوں کی قبریں عبرت کی تصویر بنی ہوئی موجود ہیں۔ قطب الدین خاں کے خاندان والے زندہ ہیں۔ بس آخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ تاریخ میں وضاحت کے ساتھ

نہ ہونا شخصی حکومت کی ہیبت اور تسلط پر ہی مبنی ہے۔

ناظرین حیران ہونگے کہ اس قدر تمہید کس عنوان کے لئے اُٹھائی گئی۔ یہ جمع خراشی آخر کیوں کی گئی تو حضرت اس میں میرا قصور فقط اتنا ہے کہ گذشتہ سال مولینا کا نامکمل ڈرامہ لیا۔ اتفاقاً آیندہ کا پلاٹ بھی نکل آیا۔ سید ناصر نذیر صاحب فراق نے احسان فرما کر اپنے استاد کے تبرک کو اور متبرک بنا دیا۔ مگر اس عرصہ میں مجھے بہت سے ایم۔ اے۔ بی۔ اے تاریخ دان مسلمانوں کے مایۂ ناز نوجوان احباب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جن سے ڈرامہ کا بھی ذکر آیا۔ تو ہر شخص نے مخالفت کی کہ نہ اس کو مکمل کراؤ نہ اس کو چھپواؤ۔ وجہ پوچھی تو فقط اس قدر کہ اس میں مسلمان بادشاہوں کی بے عزتی ہے۔ ان پر بڑا بھاری الزام لگتا ہے جو اُتارے نہیں اُترتا۔ جس سے ہم مسلمانوں کی عزت خاک میں مل جاتی ہے خیر اس قسم کی بہت سی بحثیں ہوئیں۔ میں چونکہ ارادہ کر چکا تھا۔ ڈرامہ چھپوا ہی دیا اب نہایت مودبانہ طریقہ سے عرض پرداز ہوں کہ واقعۂ قتل کے متعلق جہانتک میری عقل نے واقعات کا ساتھ دیا ہے۔ اوپر عرض کر چکا ہوں۔ اب مسلمان بادشاہوں کی عزت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

شکر کی جگہ ہے کہ مولینا شبلی کی رُوح کے صدقہ سے میں مسلمان بادشاہوں کو بُرا نہیں کہتا۔ کیونکہ ان کے عہد میں ہمارے بزرگوں نے جس شان سے حکومت

اُٹھائے اور حکومت کے مزے لُوٹے ہیں۔ وہ اب میسّر نہیں آئیں گے مگر اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمارے مسلمان بادشاہ ہندوستان میں فرشتہ بن کر آئے تھے اگر ایسا ہوتا تو حکومت ہی کیوں جاتی۔ نہ ان کا ہر فعل ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے بلکہ جو کام انہوں نے اچھے کئے وہ حقیقتاً اُس تاریکی کے زمانہ میں ایک نور تھے اور جو بُرے کئے وہ تقاضۂ بشریت اور مصلاح کاروں کی غلطیاں تھیں۔ جو ضرورت وقت کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ ہم سے ان کے اعمال کی بابت نہ یہاں پوچھ ہے نہ آئندہ ہوگی۔ کیونکہ یہ مسئلہ صاف ہے کہ ؎

اپنی نبیڑو اپنی کرنی کو پاؤ گے تم
انکے کئے کی بابت پوچھے نہ جاؤ گے تم

ان کا معیارِ سلطنت فاتحانہ تھا۔ اُس ملک کو قوّتِ بازو سے لیا تھا تبلیغا یا پادری بن کر نہ دھس آئے تھے جو کسی سے دب کے چلتے۔ بس تو حق اور ناحق کا فیصلہ ان کی مرضی تھی۔ جو اُن کی رضا وہ حق اور جو خلاف وہ باغی قابلِ گردن زدنی۔ خاصکر ترک بادشاہ تو پہلے ترک تھے۔ پھر مسلمان تھے۔ جہاں جاتے تھے طورہ چنگیزی کو اپنا وطیرہ بناتے تھے۔ جمہور کے کوندی سونٹے اُٹھائے نہ پھرتے تھے۔ پھر اگر جہانگیر نے عشق کا اندھا تیر کھایا اور ایک معمولی سے آدمی کو قتل کرادیا تو کیا ہوا معلوم نہیں اس پہ مسلمان اس قدر تر بھر

کیوں ہوتے ہیں۔ وہاں تورات دن ست ہاتھی اسی لئے کھڑے رہتے تھے کہ جلدی کوئی آئے تو پیر کے نیچے کچل دیں۔ اس قصہ کا تاریخ اسلام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ ایک عبرت ناک سبق ہے کہ اتفاق زمانہ ہے کہ گریٹ مغل بھی عشق کی افسوں کاری سے نہ بچ سکا۔ اور عشق مجازی کے پھندے میں اس طرح پھنسا کہ مرتے دم تک اس گرہ کو نہ کھول سکا اور اسی کے زانوؤں پر سر رکھ کر اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو چلا گیا۔

آخر میں دعا مانگتا ہوں کہ اے عشق و محبت کو پیدا کرنے والے خدا تو ہر نیک اور بد کا جانچنے اور پرکھنے والا ہے۔ تو اپنی بخشش کے طفیل جہانگیر، نورجہاں اور شیر افگن پر رحم کر اور ان کو ان کے مناسبِ حال عالمِ بقا میں جگہ عنایت فرما اور ہم زندہ مسلمانوں کو اِس بلائے بے درماں کی دشواریوں سے بچ بچ کر گذرنے کی توفیق عنایت فرما۔ آمین ؂

دعا کا محتاج

طاہر بشیر آزاد

۲۷ نومبر ۱۹۲۲ء

ابنِ انشا

[illegible]

[illegible]

DATE	NO.	DATE	NO.
[illegible]	[illegible]		